اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مستند اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵
شمارہ ۸

شوال ۱۴۱۰ھ
مئی ۱۹۹۰ء

بیاد: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون : عبدالقیوم حقانی

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنۂ آفاق

سینٹ آف امریکہ کی ملعون قرارداد

بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا جائے

یہودی فکر اور یہودی مقاصد کے علمبردار ، یہودی اہداف کے سب سے بڑے آلۂ کار امریکی سرکار کے سب سے بڑے ادارے سینٹ نے تمام عالم اسلام کی ناراضگی ، نفرت ، ہیجان اور شدید احتجاج کے علی الرغم بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینے کی ملعون قرارداد منظور کر لی ۔ دنیا بھر کی یہودی لابی اور بعض کج فہم ، مرعوب اور ناداں سیاست داں اسے اسرائیل کی اہم کامیابی اور سیاسی فتح قرار دے رہے ہیں ۔ جب کہ بظاہر یہودیت کو اپنے بہت سے مقاصد میں توقع سے زائد کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں ۔ اُس کے بہت سے ایسے منصوبے بھی بروئے کار آ رہے ہیں جن کے بارے میں نہ صرف عرب اور تمام مسلمان بلکہ خود یہودی بھی کچھ عرصہ پیشتر اس کا تصور تک کرنے سے قاصر تھے ۔ پہلے اسرائیل کی ریاست عالم عربی کے قلب و جگر اور اس کے بہترین و مقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی جو عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پہ کابوس بن کر مسلط ہو گئی جس نے بڑھتے بڑھتے ۵ جون ۶۷ء کو عالم عربی کی سب سے بڑی فوجی طاقت کی قوت ارادی اور قوت مدافعت کو نقصان پہنچایا اور غالب آ گئی ۔ بیت المقدس ــ عالم اسلام کا قبلہ اول ــ مسلمانوں سے چھین لیا گیا مسجد اقصیٰ میں اذانوں کی آوازیں اور نغمہ ہائے توحید خاموش کر دئیے گئے فلسطین کی مقدس سرزمین جہاں آج بھی کم و بیش ایک لاکھ انبیاء کرام کے سانسوں کی مہک موجود ہے ۔ بدطینت یہودیوں کی شکارگاہ بن گئی ۔ صحرائے سینا جو یہودی قوم کے لئے وادی تیہ تھا وہاں اسرائیل بربریت کا ننگا ناچ ، ناچ رہا ہے ــ اور اب پورے عالم عربی پر قبضہ جمانے اور حجاز کے مقدس مقامات کی طرف بڑھنے کے خواب دیکھ رہا ہے جس کا حکم دنیا کے تمام سدِ مملکت سربراہانِ حکومت اور وزراء پر چلے گا ۔ امریکی سینٹ کی حالیہ مذموم قرارداد ایسے ہی ناپاک عزائم کی عملی تکمیل کا نکتۂ آغاز ہے ۔ ولا نعلہا اللہ ۔

سقوطِ بیت المقدس سے لے کر اب تک مسلسل اسرائیلی جارحیت ، فلسطینیوں پر بہیمانہ مظالم ، سقوطِ ڈھاکہ ، پاکستان میں فسطائیت اور فسطائی نظام کا قیام ، کشمیری مسلمانوں پر بے پناہ وحشیانہ مظالم ، افغانستان

میں روسی اژدہا کی انسانیت سوز کارروائیاں آذربائی جان اور مختلف روسی ریاستوں میں روسی فوجوں کی بہیمیت و درندگی اور بیت المقدس کو اسرائیلی دارالحکومت قرار دینے کی حالیہ امریکی قرارداد تک درحقیقت یہ قدرت کی طرف سے پوری مسلم امت کے لئے تنبیہ و انذار کے تازیانے ہیں جو ہم سب کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور تکوینی طور پر مسلمانوں میں جہاد و حریت اور بیداری کی ایک تحریک ہے کہ اسلام زندہ و تابندہ ہے۔ امت بھی وہی ہے اس کا پیغام بھی وہی، قرآن بھی وہی ایمان بھی وہی۔ یہ حوادث و انقلابات، یہ جہاد و قربانی، یہ عروج و زوال، یہ نشیب و فراز قدرتی تجربات ہیں جن سے دنیا کی زندہ اور بیدار قومیں ہمیشہ گذرتی رہتی ہیں یہ وہ آزمائشیں اور امتحانات ہیں جن سے کھرے کھوٹے کا فرق معلوم ہوتا ہے اور قوم کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے ؎

یہ بھی سچ ہے کہ تلاطم میں گھری ہے کشتی
یہ بھی سچ ہے کہ بس اب دور کنارا بھی نہیں

یہ مذمتی قراردادیں پاس کرنے، زبانی احتجاج اور اخباری بیانات داغنے اور چند آنسو بہاکر جی چھوڑ دینے کے مواقع نہیں ہیں۔ یہ عزائم کو تازہ اور امنگوں کو بیدار کرنے کا وقت ہے۔

اگر ہم خودکشی کا عزم صمیم کرکے نہیں بیٹھ گئے تو ہمیں اپنی تمام کوتاہیوں کی تلافی کے لئے کمربستہ ہونا پڑے گا اور رکھئے! اسرائیلی، امریکی اور یہودی سامراجیت کا سیلاب ازخود کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے جب تک کہ عالم اسلام اس پر یہ ثابت نہ کردے کہ مسلمان ایک ایسی چٹان ہیں جس سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کرنے کے مترادف ہے زبانی دعووں، دھمکیوں، احتجاجی قراردادوں اور اخباری مذمتوں کا نہیں، عمل اور بھرپور اقدام کا وقت ہے۔ اگر اب بھی ہمیں ہوش نہ آیا تو انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ آج بیت المقدس کو یہودیت کا دارالحکومت قرار دینے کی قراردادیں منظور ہورہی ہیں کل قاہرہ، دمشق، بغداد اور حجاز مقدس کا رخ کیا جائے گا۔ اور خدا نہ کرے کہ پھر عالم اسلام کا کوئی گوشہ اس قہر الٰہی سے مامون نہ رہ سکے۔

یہودیت کا تاریخی کردار عملی تصویر اور امریکہ ایک یہودی کالونی

امریکہ نے روز اول سے صیہونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ڈھٹائی، منافقت، خودغرضی اور بے حیائی کا شرمناک کردار ادا کیا ہے چنانچہ حالیہ امریکی قرارداد اسی سلسلہ مذموم کی ایک کڑی ہے لہٰذا اس تمامتر پس منظر کی روشنی میں عالم اسلام کو اپنی پالیسی پر نظرثانی کرنی ہوگی۔

مسلمان مجاہدین کو صرف اسرائیل ہی سے نہیں عالمی سامراجیت کے علمبردار امریکہ سے لڑنا ہوگا۔ امریکی سینٹ

کی جارحیت کی مذمت زبانی احتجاج سے نہیں سنگینوں کی نوک سے کرنی ہوگی۔ اس قرارداد سے پوری دنیا پر یہ واضح ہوگیا ہے کہ امریکہ اپنی عالمی قوتوں سمیت مٹھی بھر یہودیوں کی ایک کالونی ہے۔ اپنے طور پر نہ اس کے اصول ہیں نہ قوانین، نہ ضمیر ہے اور نہ کسی آزادانہ فیصلہ کا اختیار۔

امریکہ اگر اپنے مذموم، قابلِ نفرین بدترین منافقانہ رول اور ملعون تجاویز پر نظرِ ثانی نہیں کرسکتا۔ پھر مسلمانوں کو تو اب اپنے ازلی دشمن (بشمول مغربی اقوام) کے ساتھ اپنے روابط تعلقات اور توقعات میں محتاط روش اختیار کرنی چاہیئے یہاں پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یہودیت کا مکمل تاریخی کردار اور پوری عملی تصویر کینہ پروری، دنائت اور حقارت کی تصویر ہے۔ جس میں انسانیت سے قدیم لبغض وعداوت، یہودی نسل کے تقدس پر ایمان، اسرائیلی خون کی عظمت و پوجا، دنیائے انسانیت کے تمام نسلوں کی نااہلیت، شر و فساد، تشدد و دہشت انگیزی کے رنگ بھرے ہوتے ہیں۔ یہی وہ دماغ اور خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تخریبی نظریات، تباہ کن فلسفوں، بے چینی و اضطراب، انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی سیاسی اجتماعی اور اخلاقی بحرانوں کے پیچھے کام کررہا ہے۔ ایک معروف یہودی مفکر ڈاکٹر آسکر لیوی نے یہودیوں کے اس مکروہ ترین کردار پر فخر کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے پوری قوم کی صحیح تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ہم ہی دنیا کے حاکم اور مفسد ہیں ہم ہی تمام فتنوں کو ہوا دیتے ہیں ہم ہی جلاد ہیں"

بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینے کی تحریک و تجویز بھی یہودی شر انگیزی اور فتنہ سامانی کی ایک کڑی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ امریکی سینٹ میں بجنے والی اس گھنٹی کی ڈور کا سرا کس کے ہاتھ میں ہے؟ کچھ لوگ جنہیں قوانین فطرت عادت اللہ اور یہودیت کی حقیقت سے شناسائی کم ہے امریکی سینٹ کی حالیہ قرارداد کو اسرائیل اور یہودیت کی فتح عظیم سمجھ کر اسلام کے مستقبل سے مایوس ہوکر بیٹھنے لگے ہیں حالانکہ اسلامی اور دینی نقطۂ نظر سے اس میں مایوسی اور اسلام کے مستقبل کے بارے میں یاس و قنوط کی کوئی بات یا وجہ جواز نہیں۔ یہودی جو خدا کی سنت، فطرت، قوانینِ قدرت اور ان اعلیٰ مقاصد کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں جس کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ پوری کائنات پیدا کی ہے زیادہ دن تک اقتدار و تسلط اور فتح و کامرانی کے مزے نہیں لے سکیں گے۔ ان کی حمایت کے لئے امریکہ سمیت ہزاروں حکومتیں اٹھ کھڑی ہوں ان کے پاس وہ تمام شیطانی حربے اور جہنمی وسائل جمع ہوجائیں جو اب تک ایجاد ہوچکے ہیں جن میں یہودیوں کا بنیادی حصہ اور ان کا خاص فن اور موضوع ہے۔ غلبہ اور فتح ان شاء اللہ اہلِ حق اور انسانیت کے لئے عمومی اور ابدی پیغام لینے والی ملت ہی کا ہوگی۔ جس کی نظر میں ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جو حق کے لئے ہر جگہ سینہ سپر ہوجاتی ... جس کا دامن فتنہ و فساد سے پاک ہے جو دنیا میں علو و فساد کے لئے نہیں حق اور عدل و انصاف کی علمبردار

ہے جس ہزاروں طوفان بلا ٹکرائے جو زخمی ہوتی رہی مگر اس نے اپنا سر نیاز بارگاہِ الوہیت کے سوا کسی بھی دوسری چوکھٹ پر خم نہیں کیا ہے ؎

طوفانِ بلا سر سے گذرتے ہی رہے ہیں
زخمی ہے مگر آج بھی سر خم تو نہیں ہے

امت پر آزمائش کے نازک ترین لمحات میں قرآنی ہدایت کا خلاصہ

مکروفریب سازشی ذہن مجرمانہ و مریضانہ ذہنیت اور تخریبی ذہانت نے تاریخ میں بارہا ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں کہ لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں تخریبی قوتوں نے بارہا تاریخ میں ایسے ہنگامے برپا کئے کہ ان کے سامنے عزم و استقلال کے پہاڑ بھی متزلزل ہو گئے۔ اور بڑے بڑے فلسفی اور علماءِ مذاہب بھی اپنی جگہ سے ہل گئے آزمائش کی ان نازک ترین گھڑیوں میں جو حیرت و اضطراب اور شک و شبہ دلوں میں پیدا ہونے لگتا ہے قرآن مجید نے اس کی بلیغ تصویر یہ ہمارے سامنے رکھدی ہے۔

اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل	جب وہ آچڑھے تم پر اوپر سے بھی اور نیچے
منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب	سے بھی اور جب پھیل گئیں آنکھیں اور آگئے کلیجے
الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ۰	منہ کو اور گمان کرنے لگے تم اللہ سے طرح
ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً	طرح کے گمان، یہ موقع تھا جہاں آزمائے
شدیدا ۰ (احزاب ۱۰-۱۱)	گئے مسلمان اور ہلائے گئے بری طرح۔

قرآن حکیم نے انسانی نفسیات (دہر غلبہ و فتح سے متاثر ہونا اور اس کے سامنے سر جھکانا خواہ وہ کیسی ہی وقتی عارضی حقیر اور غیر اہم کیوں نہ ہو) کا بہترین علاج پہلے ہی سے کر دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

لا یغرنک تقلب الذین کفروا	یہ کافروں کا شہروں شہر دورہ ودورہ
فی البلاد متاع قلیل ثم ماواھم	تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ چند دن کی
جھنم وبئس المھاد	بہار ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم

ہے۔　(ال عمران ۱۹۶، ۱۹۷)

قرآن حکیم نے کفر و باطل، یہودیت اور استبدادی قوتوں کی ہر قسم کی سازشی قرار دادوں جعل سازیوں فریب کاریوں اور ظاہری کامرانیوں کا انجام ذلت و ناکامی اور فضیحت و رسوائی بتایا ہے ــــ اس روشنی میں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا تو " وانتم الاعلون "

کے مسندنشین ہوں گے مگر ان کنتم مومنین کا شرطیہ مرحلہ عبور کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔

تو امریکی قراردادیں اور اسی نوعیت کی جملہ کارروائیاں تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور بودی اور بے حقیقت ثابت ہوں گی۔

وان اوهن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون (عنکبوت ۴) — اور بے شک گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہے کاش یہ جانتے ہوتے۔

قرآن حکیم نے مکر و فریب اور سازش و تخریب کا عام قانون اور اس کا انجام اور حشر بتاتے ہوئے اعلان فرمایا ہے

والذین یمکرون السیئات لهم عذاب شدید ومکر اولئك هو یبور (فاطر ۱۰) — جو لوگ ناپاک سازشیں کرتے ہیں (اللہ و رسولؐ کے خلاف) ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے اور رہیں ان کی سازشیں تو وہ کارگر ہونے والی نہیں۔

امریکی قرارداد یا یہودی پالیسی یہ غیر طبعی اور غیر فطری حالات ہیں جو بقا و ترقی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ امریکی ڈپلومیسی اور یہودی سیاست ایک عامیانہ اور احمقانہ طریق کار ہے۔ جو امریکہ نے عربوں، بیت المقدس اور عالم اسلام کے معاملات میں اپنا رکھا ہے وہ ایک روایتی سیاست ہے جس کا عقل و ذہانت فیصلہ کی قوت اخلاقی جرأت، حیا و غیرت اور اصول آدمیت سے کوئی تعلق نہیں۔ امریکہ اکثر و بیشتر یہودی اثر و رسوخ کے زیر سایہ رہتا ہے اس کا زیادہ تر انحصار اپنے کند ذہن سکریٹریٹ، دفتری کاغذات اور فائلوں پر ہے جو حقائق پر مبنی نہیں ہوتے۔ یہ سیاسی طرز اور رویّہ قوموں میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ بڑھاپے کا شکار ہونے لگتی ہیں اور ان کے زوال کے دن قریب ہوتے ہیں۔

قیادت کی نااہلی اور عالم اسلام کا ماتم

صیہونیت کی یہ عارضی شوکتیں، اسرائیلی ریاست کا قیام و استحکام امریکہ کی قراردادی حمایت اور اس کے بعض مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل، ایک پیغام کی دوسرے پیغام پر، ایک فلسفہ ایک امت اور ایک مذہب کی دوسرے فلسفہ، امت اور مذہب پر یا حق و باطل کی باہمی آویزش اور ایک کی دوسرے پر فتح نہیں قرار دی جا سکتی اب کے یہ معرکہ ہائے کارزار اسلام اور یہودیت یا مسلمانوں اور کفار کے معرکہ ہائے حق و باطل نہیں کیونکہ خود اہل اسلام نے ان معرکہ ہائے کارزار میں اسلام کو سیاست اور جنگ سے دور رکھ دیا ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک فعال قیادت کی ناکارہ قیادت پر سیاسی فتح ہے فلسطین میں مسلسل ہزیمت اور رسوائی

قیادت کی نااہلی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ورنہ مسلم امت تو اب بھی قوت حوصلہ اور ہمت بلکہ برق و شرر سے بھرپور ہے اور ہر وقت اپنے جذبۂ قربانی اور جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ کرنے کے لئے مضطرب اور بیتاب ہے۔ جہادِ افغانستان جس کی عملی اور واقعاتی زندہ دلیل ہے۔ ماتم ہے تو نااہل اور رہزن قیادت کا اور تقریباً پورا عالمِ اسلام فقدانِ قیادت پر ماتم کناں ہے ؎

رہزن ہیں بنے ہوئے رہبر
کاروانوں میں شورِ ماتم ہے

ایسے حالات کے پیشِ نظر پوری دنیا میں اہلِ اسلام کی بیداری و حریت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تکمیل کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے کی مخلصانہ اور بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔ اگر اہلِ اسلام کا اتحاد قائم ہو جاتا ہے تو نہ صرف دنیا کے نقشے پر سے اسرائیل کا وجود مٹ سکتا ہے بلکہ افغانستان، آذربائی جان اور کشمیر سے لیکر قبرص تک تمام مسلم مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اور یہ اسلامی ممالک جو اپنے مسائل حل کرنے کے لئے کبھی امریکہ، کبھی روس، کبھی برطانیہ اور چین کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں ہر بیرونی احتیاج سے آزاد ہو جائیں گے —— پھر قدرت نے بھی دنیا کے نقشے پر عالمِ اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے ایک لڑی میں پرو رکھا ہے دنیا کی اہم ترین اور انقلابی نتائج کی حامل شاہراہیں ان کے قبضہ میں ہیں کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں۔ انسانی وسائل کے اعتبار سے بھی وہ کتنے مالا مال ہیں۔ کرۂ ارض کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کے سبب پوری دنیا کا دل ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ قدرتی انعامات اتحاد و وحدت اور تنظیم و اعتماد کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکیں۔

زوالِ مسلم کے اسباب، انسداد اور علاج

ان طویل گذارشات سے مقصد اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اگر ہم واقعتہً اسلامی انقلاب، غلبۂ دین، شوکتِ اسلام کے طالب اور مصائب و آلام سے رہائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے سیاسی تعلقات ترجیحات، معاملات، انفرادی منصوبہ بندی، ملکی اور پورے عالمی ڈھانچے اور تمام سوجھ بوجھ پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی۔ جو ہم نے تقریباً ڈیڑھ سو سال سے اختیار کیا ہوا ہے —— اسرائیل یہودیت اور امریکہ کے مسلسل ظالمانہ کردار، اسلام دشمنی کی منافقانہ روش اور بے رحم چرکوں کے بعد ہمیں ہوش میں آ جانا چاہئے تھا لیکن قبلۂ اول چھن جانے اور اب امریکی قرارداد سے زیادہ کرب انگیز بات یہ ہے کہ ہم نے اب تک ان مسلسل حادثات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ زندگی کا پہیہ بدستور اسی ڈھب پر گھوم رہا ہے۔ دین سے بے رخی، تقلیدِ مغرب کے ولولوں،

عیش و عشرت کے محفلوں، باہمی انتشار اور نا اتفاقیوں کا وہی عالم ہے ــــــ لہذا ان حالات کے پیش نظر ہماری گذارش یہ ہے کہ امریکی قرارداد اور یہودی جارحیت کے خلاف احتجاج کے ساتھ اپنی بیمار ذہنیت کے خلاف بھی احتجاج کرنا چاہئے۔ امریکی مذموم پالیسی اور اسرائیلی قبضے کے خلاف قراردادیں منظور کرنے کے ساتھ ان قرار کے خلاف بھی قراردادیں منظور کرنی چاہئیں جو اسرائیل کا ناپاک تخم بونے والوں نے ہمارے دل و دماغ اور ذہن میں جمایا ہے۔ کشمیر، فلسطین، افغانستان اور بیت المقدس کو اجنبی تسلط سے آزاد کرانے کے ساتھ اپنے افکار کو بھی ان اجنبی اثرات سے آزاد کرانا ہوگا جنہوں نے ہمیں اپنے دین، اپنے ایمان، صراط مستقیم اور نظام اسلام سے بھٹکا کر بے دینی نفس پرستی، عیش کوشی اور غفلت شعاری کی راہ پر ڈال دیا ہے جس کی وجہ ہم غیروں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن کر رہ گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب تک ہم مغربی نظام، افکار، تہذیب، تمدن، معاشرت اور ان کی اندھی تقلید کے اس زہریلے مادے کو اپنے عمل اور کردار سے ختم نہ کر دیں گے اس وقت تک ایسا نہیں نہیں سینکڑوں سامراجی قراردادیں اور اسرائیل جیسے ہزاروں ناسور اٹھتے رہیں گے۔ ■

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

سج رہا ہے شاہِ خوباں کیلئے دربارِ دل

(ایک اہم علمی اور حیرت انگیز سائنسی انکشاف)
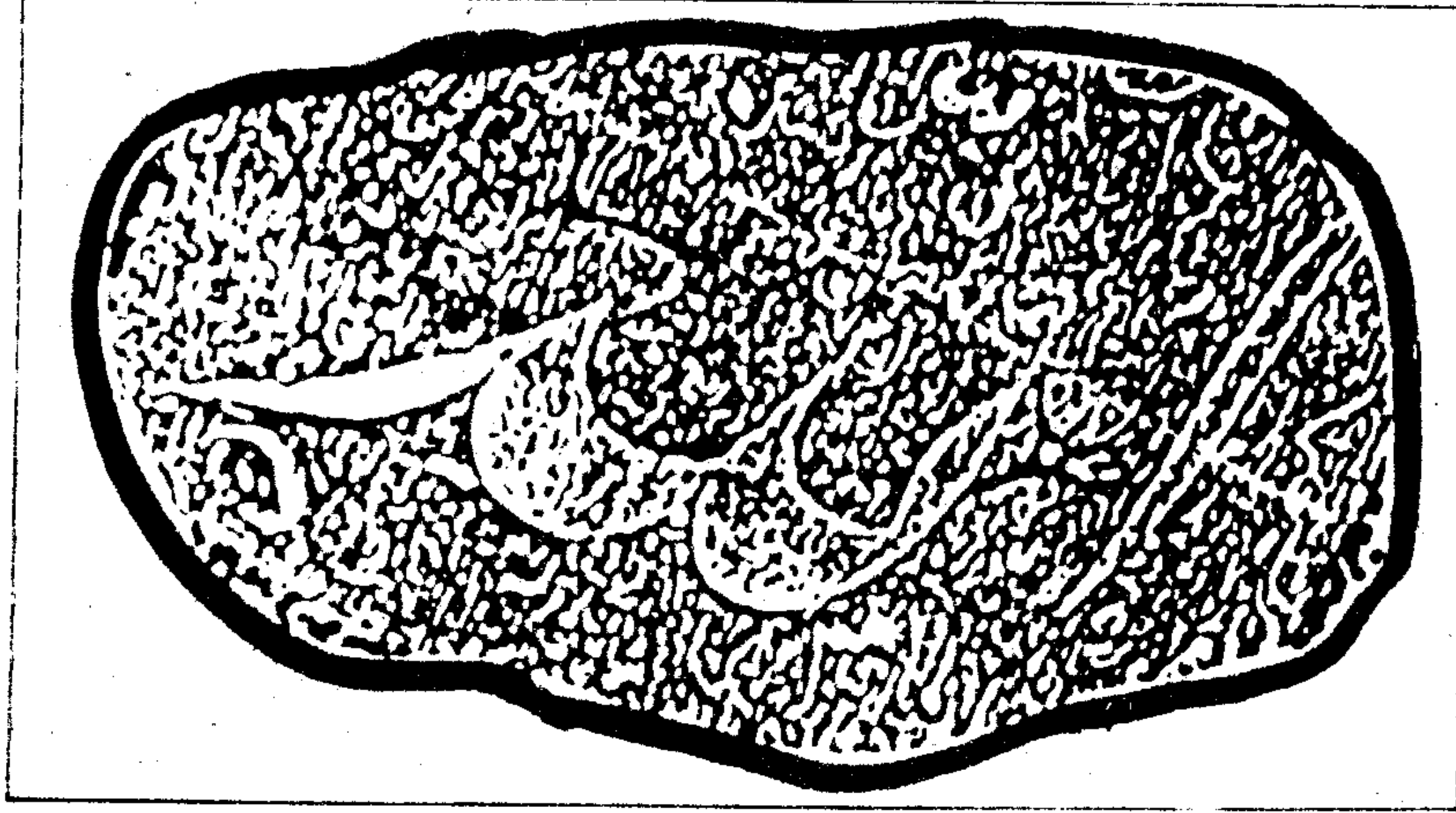
گذشتہ ماہ معروف سکالر، مشہور مصنف علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذِ خاص اور امام لاہوریؒ کے خلیفۂ اجل حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے سفرِ عمرہ کے پیشِ نظر ایک جمعہ اپنے ہاں پڑھا دینے کا حکم فرمایا تھا۔ پھر خطبۂ جمعہ اور اپنی نیابت کے اہتمام کے پیشِ نظر حجازِ مقدس سے فون پر اس کی تاکید بھی کر دی تھی ـــــ حضرت مدظلہ کے نظرِ انتخاب اور تعمیلِ ارشاد کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے دارالارشاد اٹک میں جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت مدظلہ کے حجرۂ خاص میں دیوار پر لگی ہوئی ایک فریم شدہ اخباری عربی عبارت اور نقش پہ نظر پڑ گئی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے قریب سے دیکھا اور پڑھا تو نیرنگیٔ قدرت اور سائنسی اعتبار سے اسلام کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی صداقت کی مزید شہادت سامنے آ گئی ـــــ بعد میں جب حضرت مدظلہ سفرِ عمرہ سے واپس تشریف لائے تو میری درخواست پر اس فریم شدہ اخباری خبر اور قلب کے عکس کی فوٹو کاپی مرحمت فرمائی۔ لیجئے! آپ بھی عربی خبر کا اردو ترجمہ اور قلبِ انسان پر اللہ کے اسم ذات کا نقشِ جمیل ملاحظہ فرمائیں۔

" ایک محیر العقول علمی انکشاف نے سپیشلسٹ ڈاکٹروں اور میڈیکل کے ممتاز پروفیسروں کی ایک بڑی جماعت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کہ رب العالمین جل جلالہ کا مقدس نام " اللہ " انسان کے دل پر نقش

ہے۔ اس سنسنی خیز واقعہ کو ریلیز (REALIES) رسالہ نے نشر کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر خلوق نور باقی اس ہوش ربا انکشاف کا موجد ہے۔ جو ترکی میں امراضِ قلب کا ایک ماہر ڈاکٹر ہے۔ اس کے پیہم و مسلسل طویل ریسرچ نے اس حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ انسانی دل کے ایک حصہ پر خدا تعالیٰ کا اسم ذات " اللہ " کا کلمہ عجیب و غریب انداز میں موجود ہے۔ جناب ڈاکٹر خلوق کا بیان ہے کہ ایک روز میں کسی علمی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک مجھے دل کی ایک تصویر پر لفظ " اللہ " نظر آنے لگا جو دل کے درمیان تحریر شدہ تھا میں نے سوچا شاید یہ میرا تخیل ہے۔ میں نے تصویر کو قریب سے بار بار دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ دل کے اندر کسی ماہر خوشنویس نے اپنی انگلیوں سے " اللہ " کا مبارک نام لکھ دیا ہے۔ پھر میں نے کئی سال مسلسل انسانی دلوں کو مسلسل تجربات کئے۔ جدید ترین سائنسی آلات استعمال کئے۔ ریسرچ و تحقیق کا ہر ممکن وسیلہ اپنایا تو اس نتیجہ پر پہنچا اور اب میرا ایمان بھی یہی ہے کہ " اللہ " کا نام انسانی دل پر منقش ہے اور یہ بات صحیح اور واقعی حقیقت پر مبنی ہے۔ نیز اس بات کا مشاہدہ میں نے اس نقشہ میں بھی کیا ہے جو مغربی ماہرین امراضِ قلب ڈاکٹروں کا تیار کردہ ہے مختصر یہ کہ دل کے جملہ پرزے با عظمت ہیں اور دل کے اس پوشیدہ خزانے پر خدائی دستخط ہرگز کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ ہم دل کے بائیں جانب اس دستخط کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسانی جسم میں دل کا یہ لوتھڑا (جس پر زندگی کا دار و مدار ہے) ہمیں زندگی کی ناپیدا کنار اہمیت کا احساس دلا رہا ہے۔ ریلیز (REALIES) رسالہ نے اس خبر کے ساتھ دل کی وہ تصویر بھی شائع کی ہے جس پر " اللہ " کا اسم ذات صاف نظر آرہا ہے۔

دین اسلام سائنس اور سرجری کی ضرورت و اہمیت کے اعتراف اور اس کے اپنانے کی تعلیم دیتا ہے اور مردہ قلوب میں حرارتِ حیات دوڑانے کے ساتھ عصر حاضر کے تاریک دلوں کو انسانیت اور ایمان سے روشن کرنے کو اپنا ہدف قرار دیتا ہے۔ جو دل اللہ کی عظمت، سچائی، صداقت، انسانی اقدار، ابدی حقائق اور خدا کی معرفت سے تہی دامن اور ایمان کی روشنی سے خالی ہوں۔ اسلام ان کو زیادہ توجہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ تاہم مسلمان کے نزدیک غیبی حقائق کی تصدیق اور ایمان کے لئے کسی سائنس اور مشاہدے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ جس ذات نے حقائق اور خواص اشیاء کی پردہ دری کی صلاحیتیں انسان کو عطا فرمائی ہیں۔ کیا وہ خود اس کائنات اور اس کی مخلوقات میں۔ تمام اسباب اور عادات توڑ کر ہر قسم کے تصرفات پر قادر نہیں ہوگا؟

انسان اپنی فطرت، خلقت اور سرشت کے اعتبار سے اللہ وحدہ لاشریک کا قائل، موحد اور فرماں بردار ہے۔ مگر والدین، سوسائٹی تہذیب بالخصوص عصر حاضر کی تہذیب نے تو اپنے حیوانی فلسفہ اور طور طریقوں سے اس کے باطن کو خنزیروں، کتوں، بلیوں، گدھوں، چوہوں اور بندروں کے سانچہ میں ڈھال دیا اور مسخ کی باقی رہی سہی کسر اب کی بے حیائی اور جدید خدا بیزار تہذیب کی یلغار سے پوری کی جارہی ہے

عقل وخرد اور دانش و فہم کی خداداد ودیعت جن لوگوں نے ضائع نہیں کی ان کے لئے تو کائنات کا ذرہ ذرہ اور جدید سائنسی انکشافات ترقی و کمالات کے ہر زینہ پر پکار پکار کر خدا تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہیں صرف قلب انسانی ہی نہیں، انسان کی زبان ہی نہیں کائنات کے ہر ذرہ میں خدا کا نام، اس کی تخلیقی کاریگری اور بے مثال کام اور محبوب حقیقی کا جلوۂ جہاں آرا نظر آتا ہے ؎

وہ کون سی جا ہے جہاں جلوۂ محبوب نہیں
شوق دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

اور ایک صاحب دل، محب صادق اور دنیا میں جمال اور وصالِ یار سے ہمکنار نے تو یہاں تک کہہ دیا ؎

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر است
درحیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

مگر عصر حاضر کا جدید تعلیم یافتہ، مغربی افکار کا دلدادہ اور تہذیب نو کا مہذب انسان جسے فیاض ازل نے احسنِ تقویم اور کرامتِ عظمیٰ کی دولت سے نوازا تھا اپنے اعمال و کردار، بدباطنی اور کج فکری کے ہاتھوں دوبارہ اسفل السافلین کی طرف لوٹ رہا ہے۔ جدید سائنسی وسائل، آکسیجن اور الیکٹرانک کے ذریعہ مردہ دلوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحرک تو کیا جا سکتا ہے مگر انسانیت اور رحمدلی سے عاری، دہریت و خدا بیزاری سے معمور بے نور دلوں کا سائنس کے پاس کوئی علاج نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خود ان کے اپنے باطن، اخلاص وللہیت ذوقِ طلب و محبت اور علم و دانش سے تہی و تاریک اور مضطرب ہیں۔ ایمان و یقین اور تصور آخرت جس سے مردہ دلوں کی مسیحائی ہوتی تھی۔ اجڑے ہوئے دل معمور اور آباد ہوتے تھے اس دولت کو پامال کر دیا گیا۔ صلاحیتیں اور استعداد مسخ کر دی گئی اور دل ایمان و یقین کی روشنی سے محروم ہونے کے انجام تک پہنچا دئے گئے ؎

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی　　زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائناتِ ماہ و انجم دیکھنے کے شوق میں　　اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

دل کی دنیا، دل کا جہان، اور دل کی کائنات ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہر قوم، ہر تہذیب، عقل و دانش اور ہر زبان و ادب اور فکر و نظر میں اسے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں ہے "القلب عرش الرحمٰن"، انسان کا دل اللہ کا مکان ہے۔ جدید سائنسی تحقیق اور مذکورہ ڈاکٹری ہینل کی سرجری اس کی شاہد عدل ہے۔ دل اور محبوب، قلب اور مقلب القلوب، ارباب قلوب اور اہل دل حضرات کے ہاں لازم اور ملزوم رہے ہیں اور شعراء کے ہاں اس کے بعض انداز کتنے پیارے دلچسپ اور دلِ عاشق کی دھڑکن بن کر سامنے آتے رہے مثلاً ؎

جنہیں میں ڈھونڈتا پھرتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہی نکلے میرے خلوت خانۂ دل کے مکینوں میں

فارسی میں دو شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

بیرون دل نہ تواں یافت ہر چہ خواہی یافت — کدام گنج کہ در خانہ خراب تو نیست
ز سیر عالم دل غافلیم و رنہ حساب — سرے اگر بگریباں فرود دریا ہست

دل کا خزانہ بہت قیمتی خزانہ، اس کی قیمت بازاری نہیں جوہری جانتے ہیں فارسی کا ایک اور شعر اور صوفیانہ تخیل ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے ؎

بہ خط و خال و خوباں مدہ خزینۂ دل
بدست شاہ و شہی دہ کہ محترم دارد

اور مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا وجد آفریں اور جذبات محبت سے معمور شعر اور دل کی عظمت کا تصور کیا کہنا؛ ؎

دور باش افکارِ باطل دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہِ خوباں کے لئے دربارِ دل

اور محمد زکی کیفیؔ مرحوم نے غضب ڈھایا ہے ؎

بزم ہستی میں ہمیں اور تو کیا لینا ہے — ہاں مگر دل کے تڑپنے کا مزہ لینا ہے
دل میں اک جذبۂ بے تاب اگر ہے موجود — منزل یار کہ دو گام میں جا لینا ہے

کیفیؔ مرحوم کا ایک دوسرا شعر اپنے معنیٰ و مضمون اور تصور و مفہوم کے ساتھ اہل دل کے لئے کتنی بہترین سوغات ہے ؎

زخم دل جن کی کسک سے زندگی حساس تھی
آہ وہ بھی رفتہ رفتہ مندمل ہونے لگے

بہر حال دل ایک ایسا ادارہ ہے جس نے اس میں تعلیم و تربیت حاصل کی اس کی ناکامی کا کوئی سوال نہیں جو وہاں سے نکلا وہ ضائع نہیں ہو سکتا وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں سے صرف ائمۂ فن، مجتہدین فکر، واضعین علوم، قائدین فکر و اصلاح اور مجددین امت ہی پیدا ہوئے ہیں وہ جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں اس کے سمجھنے میں عام مدارس اور یونیورسٹیاں کے طلبا، اور اساتذہ مشغول رہتے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی چیزیں درس کے طور پر پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تصنیفوں کی شرحیں لکھی جاتی ہیں۔ ان کے اجمال کی تفصیل کی جاتی ہے ان کے ثابت

یہ نظریات کی تائید و تشریح ہوتی ہے ان کے ایک ایک لفظ پر کتابیں لکھی جاتی ہیں اور ان کی ایک ایک
ے سے پورا پورا کتب خانہ تیار ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں تاریخ پڑھائی نہیں جاتی بلکہ
خ بنائی جاتی ہے وہاں افکار و نظریات کی تشریح اور توضیح نہیں ہوتی بلکہ افکار و نظریات وضع کئے
ہیں، آثار و نشانات کے کھوج نہیں لگائے جاتے بلکہ وہاں سے آثار و نشانات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دل
ہ اور دل کا مدرسہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں پایا جاتا ہے۔ یہی وہ داخلی مدرسہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ
ہوتا ہے اور ہر ان ... سے اٹھاتے ہر مقام پر لئے پھرتا ہے۔ دل کا مدرسہ ضمیر اور وجدان کا دبستان
وہ ایک ایسا مدرسہ ہے جہاں روحانی پرداخت اور الٰہی تربیت ہوتی ہے اور یہ ایک واضح حقیقت
خارجی مدرسہ کی بہ نسبت دل کے داخلی مدرسہ نے انسان کی زندگی میں ایک درد و سوز تب و تاب
ے زبردست قوت اور توانائی بخشی ہے

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے، غافل نہ جل ترنگ

مذکورۃ الصدر سائنسی اکتشاف سمیت موجودہ سائنس کی تمام جدید تحقیقات اور نت نئے اکتشافات
سلام کی تعلیمات ہدایات، ابدی صداقتوں اور عالم غیب کے بارے میں ان اعتقادات کی تائید اور
ت و کرامات کے ان خرقِ عادت مثالوں کی تصدیق کر رہی ہیں۔ جن کا ظہور انبیاء کرام اور خداتعالیٰ
یدہ بندوں کے ہاتھوں ہوا۔ جن کو علوم نبوت سے عاری تعلیمات اسلام سے بے بہرہ عقل اور مادہ کے
اسیر تک ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ کبھی انہوں نے قرآنی آیات پر یہ تضحیک کی کہ یہ کس طرح ممکن ہے
ہ کہ ہاتھ اور پاؤں اپنے اپنے اعمال و افعال کی آخرت میں شہادت دیں گے۔ آخر ہاتھ پاؤں کی انگلیوں
کو زبان سے لگ جائے گی؟ کم ظرف اور کم ایمان لوگ ان کے اس اعتراض کو اٹھائے لئے پھرا کرتے تھے
ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں اور جدید صوتی سماعی اور بصری آلات نے ان بندگان
دا اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا اگر لوہا، پلاسٹک کی پٹی، کیسٹ کا فیتہ بول سکتا ہے اور انسانی منہ
کا چھوٹا سا لوتھڑا بول سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے گویائی کی طاقت دی تو وہ بدن کی کھال، جسم
اور چمڑی کے بال کو بھی گویائی کی قوت دے سکتا ہے۔

یہ پرستوں اور بزعم خود عقلمندوں نے امت مرحومہ کے عقیدۂ معراج جسمانی کا اس لئے انکار کر دیا تھا کہ
ان کو یہ باور کرانے میں ناکام رہتے تھے کہ انسان کس طرح فضاؤں میں اڑ سکتا ہے؟ مگر آج خلائی کارناموں
و نیز، فضائی جنگ، جہازوں راکٹوں اور میزائلوں کے تصرف نے معراج کو بھی تجربہ اور مشاہدہ کی

حدود میں لا کھڑا کر دیا۔ اور کل کے عقلی فیصلوں نے آج کے مشاہدہ کے سامنے سپر ڈال دیا۔

کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ قیامت کے روز ہر شخص کے اعمال کا وزن، آنکھوں کی چوریاں دماغی فکر کے مختلف زاویے دل کی دھڑکنیں، عزائم اور ارادے، افعال کے اوزان اور اقوال کے میزان کا معیار کیا ہوگا؟ دنیوی فکر و ذہن کے سانچہ میں چونکہ بظاہر یہ بات نہیں ڈھل رہی اس لئے یہ ممکن بھی نہیں۔ عدم تجربہ اور عدم مشاہدہ سے وہ عدم وجود کے غلط نظریئے کے قائل بلکہ داعی اور مبلغ تھے۔ مگر آج جب سائنسی اوزان، معیارات اور ترازوؤں کے ذریعہ لطیف سے لطیف اشیاء، حرارت برودت اور ہوا تک کو تولا جا رہا ہے انسان کے اخلاقی احساسات تک معلوم کرنے کے آلات ایجاد ہو چکے ہیں تو سب نے کہا کہ اس سے تو آخرت میں وزن اعمال کا مسئلہ بھی تو عقل و فہم کے قریب آگیا ہے۔

بعض ظاہر بینوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی آواز کا سینکڑوں میل کی مسافت پہ پہنچنے پر استبعاد کا اظہار کیا اعتراضات کئے، اُلٹا اسے عقل و خرد کے خلاف قرار دیا۔ مگر اب ہزاروں میل سے ریڈیو، وائرلیس اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اصوات اور تصاویر کے انتقال نے کرامت فاروقیؓ کی تصدیق کر دی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ شق صدر کو بھی ظاہر بینوں نے تختۂ مشق ستم بنایا۔ حضورؐ کا سینہ چاک ہونے سے عصر حاضر کے فلاسفروں، ظاہر بینوں اور کج فہم سائنس دانوں کو اچنبھا رہا مگر آج کے جدید معالجات، دل کی سرجری اور اعضائے رئیسہ کے اپریشنوں کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کے پیچھے اخبار، غیبی معانی اور حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جناب ڈاکٹر خلوق نور باقی کا تازہ ترین علمی اور سائنسی انکشاف کیا۔ اس بات کا منہ بولتا اور عملی ثبوت اور جدید سائنسی شاہد نہیں ؟ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل یہ جو ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

کل مولود یولد علی الملة فابواه یہودانه وینصرانه ویمجسانه۔ فی روایة

کل مولود یولد علی الفطرة

فطرت اور ملت سے یہی تو مراد ہے کہ اس کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے اور اس کے قلب میں اللہ کی توحید ہوتی ہے۔ وہ صاف لے کر آتا ہے ایسا دل جس پر اللہ کا نام کندہ اور اس کی عظمت کی پرچھائیاں غالب ہوتی ہیں مگر والدین ماحول سوسائٹی اور تہذیب اسے اپنے اپنے سانچوں میں ڈھال دیتے ہیں۔

۱۵

مولانا سمیع الحق مدظلہ

قومی عصبیّت

اور

علاقائی و لسانی عفریت

گذشتہ کئی ماہ سے سندھ بالخصوص کراچی پر کیا گذری۔ مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں بے آبرو ہوتے، جل گئے لٹ گئے۔ اس سے پہلے ڈھاکہ میں بھی ملکی اور غیر ملکی کے نام پر یہی کچھ ہوتا رہا ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید پاکستان جس نام پر بنا تھا، اس کے لئے مہاجرین نے گھر بار اور عزت و عصمت اور انصار نے سب کچھ نثار کر دیا مگر ۴۳ سال میں وہ چہرہ سامنے تو کیا آتا پس پردہ ڈال دی گئی۔ نتیجتہً وہی پاکستان حاکم بدہن ریت کا تودہ ثابت ہونے لگا اگر دعویٰ اور عمل میں تضاد نہ ہوتا اور قول میں سچائی ہوتی تو پاکستان اسلام کا ایک عظیم قلعہ ہوتا اصلها ثابت و فرعها فی السماء مگر اب تو اس کی عمارت علی شفا جرف هار (کے گرتے ہوئے کنارے پر) دکھائی دیتی ہے کروڑوں مسلمانوں نے ملک و وطن کو خیرباد کہا۔ ادھر کی ہجرت کی۔ بنگال نے ٹکنے نہیں دیا اب سندھ بھی انہیں ٹکنے نہیں دیتا۔ سندھی انہیں مار رہا ہے۔ سرحد پر پختونوں کا دعویٰ ہے۔ پنجاب سے گنجان ہے تو بیلائے پاکستان پر لٹ مرنے والوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ صرف یہ نہیں بلکہ کچھ اب تک اس کی یادوش بھارت کے مختلف اضلاع میں جل رہے ہیں۔ اور جو ادھر آگئے اب علاقائی قومی اور لسانی عفریت کی نذر ہو رہے ہیں قرآن نے تو اتحاد و یگانگت کا ایک ہی نسخہ تجویز کیا تھا کہ وہ ہیں اسلام اور دین کے علائق۔ مگر وہ رسی تو اپنے ہاتھ سے کٹتی چلی گئی۔ اب روئے زمین کی کوئی طاقت، کوئی مادی سہارا، کوئی خوشنما اقتصادی پروگرام اور کوئی دلکش علاقائی اور قومی نعرہ اس کی شیرازہ بندی نہیں کرسکتا۔ قرآن نے اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم اگر تو دنیا کا ہر مادی فریضہ، منصوبہ اور نعرہ لگا دیتا تب بھی انہیں یک جا نہ کرسکتا۔ یہ تو صرف اللہ نے انہیں (دین اور اسلام) کی رسی سے باہم جکڑ دیا ہے یہ رسول کے بس کی بات نہ تھی کہ دنیا اور اس کے سارے وسائل لے کر بھی اپنی امت کو یک جا کر دیتے جب تک ذریعہ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو نہ بتاتے تو موجودہ دور کے علاقائی، اقتصادی اور سیاسی نعرہ بازیوں کے موجودہ ہولناک مثالوں کے سوا اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انسانیت کے محسن اعظم

وہ مزید لکھتا ہے :-

"جس وقت مغلوں نے دھاوا کیا تو جرمن فوجیں اور پولینڈ کی فوجیں مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکیں۔ اور مغلوں نے ان کو تقریباً نیست و نابود کر دیا"[1]

لیکن دفعۃً معجزہ کی طرح ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا اور متمدن دنیا کو اطمینان کا سانس لینے ہی کا نہیں بلکہ تمدن و تہذیب، قوت و استحکام اور ترقی و خوشحالی اور علم و فکر کی خدمت کا نیا سفر شروع کرنے کا موقعہ دیا۔ وہ یہ کہ ناقابلِ تسخیر فاتح قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی۔ جو اپنی ہر قسم کی مادی و سیاسی طاقت کھو چکا تھا اور جس کے پیروؤں کو تاتاری سخت ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو آرنالڈ (T. W. ARNOLD) اپنی مشہور کتاب "دعوتِ اسلام" PREACHING OF ISLAM میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظینِ اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا"[2]

جن مخلصین نے اس خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ ان میں بہت کم لوگوں کے نام دنیا کو معلوم ہیں۔ مگر ان کا یہ کارنامہ تاریخ عالم کے کسی تعمیری، اصلاحی یا انقلابی کارنامہ سے کم نہیں۔ ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر، نہ صرف مسیحی مغرب پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت تک رہے گا کہ انہوں نے دنیا کو وحشت بربریت اور ایک بے یقینی اور سراسیمگی کی عالمگیر کیفیت سے نکال کر نظم و انضباط، علم دوستی و علم پروری، جوہر شناسی اور فضل و کمال کی قدردانی کی فضا میں منتقل کر دیا۔ اور علم و فکر، تصنیف و تالیف، تدریس و تعلیم فن و ادب نے ایک معتدل فضا اور فضل و کمال اور محنت و جگر کاوی کی قدر کرنے والوں کے سایہ میں نئے سرے سے اپنا سفر شروع کیا۔

---

[1] T.W. ARNOLD THE PREACHING OF ISLAM. (LONDON - 1935) P.227

[2] IBID. P. 231

یہ عجب اتفاق ہے کہ دوسو سال قبل تھامس کارلائل THOMAS CARLYL نے تمام پیغمبروں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا اور اب بیسویں صدی کے اخیر میں امریکہ کے مائکل ایچ ہارٹ (MICHAEL H. HART) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں، آپ ہی کا نام سر فہرست رکھا ہے [۱]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی امت کے پوری نسل انسانی پر جو ناقابل فراموش احسانات ہیں اور اس تہذیب و تمدن کے بقا و ارتقار کے عمل میں اس کا جو عظیم الشان کردار رہا ہے اس کو ہم مختصراً دو ناقابل انکار تاریخی واقعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں:۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں اچانک دنیا کے متمدن ممالک تہذیب و تمدن، علم و ثقافت، اخلاق و انسانیت اور وسیع ترین اثرات رکھنے والے دو مذہبوں اسلام اور عیسائیت، ان کے پیرووں اور ان کی قائم کی ہوئی وسیع ترقی یافتہ اور زرخیز سلطنتوں اور خود انسانیت کے مستقبل کو ایک ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جو ماضی کی سب کوششوں پر پانی پھیر دینے والی، حال کے حسن و جمال اور فضل و کمال پر خط تنسیخ پھیر دینے والی اور مستقبل کے تمام روشن امکانات کو مشکوک و مدھم بنا دینے والی تھی۔ یہ نیم وحشی تاتاریوں اور منگولوں [۲] کا اپنے غیر معمولی اور عبقری GENIUS قائد چنگیز خاں (تموچن) کی قیادت میں متمدن مغربی و شمالی دنیا پر اچانک حملہ تھا جو ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء سے شروع ہوا۔ اس حملہ کی ہولناکی، ہوش ربائی اور اس کے دنیا کے پورے تہذیبی و تمدنی۔ دینی و علمی، عقلی و فکری تعمیری و صنعتی ورثہ کو برباد کر دینے کی صلاحیت اور اس کے آثار و امکانات کے ظاہر ہو جانے کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوگا جو ہم چنگیز خاں کے مستند مورخ ہیرلڈ لیمب HAROLD LAMB کی کتاب GENGHIS KHAN سے پیش کرتے ہیں۔

"اس راستہ میں جو شہر آتے اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے، دریاؤں کے رخ بدل جاتے، صحرا کے صحرا سراسیمہ اور لب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے۔ اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے بھیڑیوں اور کرگسوں کے سوا کوئی زندہ

۱۔ HART, MICHAEL H, THE 100 — A RANKING OF THE MOST INFLUNTIAL PERSON IN HISTORY, NEW YORK, 1978. P 26

۲۔ مغربی مصنفین اور انگریزی لکھنے والے تاتاریوں کو MONGOLS کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مخلوق باقی نہ بچتی[1]۔

عیسائی دنیا بھی چنگیز خان کی موت[2] کے بعد منگولوں کی اگلی پشت کے مقابلہ میں اتنی ہی سراسیمہ و حیران تھی جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے۔ پولینڈ کا شاہ بولسلاس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے تھے۔ اور سائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگ نٹز LIEGNITZ[3] میں مارا گیا تھا[4]۔"

"یہ ایک ایسی جنگ تھی جو حد سے متجاوز تھی۔ اس حد تک جیسی دوسری عالمگیر جنگ۔ یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا[5]۔"

"انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ منگولوں کو روک سکیں۔ وحشت و صحرا کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے۔ پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں۔ قحط۔ وبائیں کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکا۔ کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا۔ کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی[6]۔"

"اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مورخوں نے ذکر کیا ہے۔ تہذیب و تمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک و تباہ کن تھا کہ نصف کرۂ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑی۔ پریسٹر جان کی حکومت اور ختا۔ قراختائی۔ خوارزم اور اس کے مرنے کے بعد بغداد۔ روس اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہو گئیں۔ جب یہ ناقابلِ شکست وحشی کسی قوم کو فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہو جاتیں۔ حالات کی

---

[1] HAROLD LAMB, GENHIS KHAN (LONDON- 1928) P. 11.12

[2] ۶۲۴ھ [3] لیگ نٹز LIEGNITZ جرمنی کی مشرقی سرحد کے قریب واقع ضلع ورو کلا WROCLAW پولینڈ میں ورو کلا شہر کے قریب بستی ہے اس کا نیا نام لگنیکا (LEGNICA) ہے [4] GENGHIS KHAN. OP. CIT. P.12

[5] GENGHIS KHAN OP. CIT. P.166 [6] IBID, P.210

پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری۔ بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچتے ان کے درمیان عرصہ تک امن قائم رہتا۔[1]

کیمبرج کی "تاریخ عہد وسطیٰ" کے مصنفوں نے منگولوں کے اس لرزہ خیز حملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

"تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے جنگیز خان سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبلائی خان پر ختم ہوگیا۔ جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم و تفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دئے ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہ ہوئی۔"[2]

چلا اور اس کی دہشت ترکستان، و ایران و عراق تک محدود نہ تھی۔ یورپ کے دور دراز ملکوں تک پھیل چکی تھی۔ جہاں ان نیم وحشی تاتاریوں کا پہنچنا ایک بعید از قیاس بات تھی۔ گبن GIBBON اپنی مشہور کتاب "تاریخ انحطاط و سقوط روما" (THE DECLINEAND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) میں لکھتا ہے :-

" سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی۔ ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔"[3]

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور اس کو ایک تودۂ خاک بنا دیا۔ شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔ پھر سمرقند کو خاک سیاہ کر دیا۔ اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں کا ہوا۔ اس کا پورا امکان تھا اور یورپ کی اخلاقی حالت، سیاسی انتشار و ابتری اور معاشرہ کی وہ خرابی (جس کا ہم نے حقیقت پسند اور حقیقت نگار مغربی مصنفین کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے) اس کی دعوت دیتے تھے اور اس کے لئے فضا ہموار کرتے تھے کہ عالم اسلام کے آخری متحدہ طاقت

---

[1] IBID. P. 206
[2] GENGHIS KHAN, OP CIT. P. 210
[3] EDWARD GIBBON THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE VOL III, NEW YORK N.d. P.634

خوارزم شاہی سلطنت کو نیست و نابود کرنے اور عالم اسلام کے مرکزی آباد اور گلزار شہروں کو کھنڈر بنانے کے بعد تاتاری مسیحی مغرب کا رخ کریں۔ اور اس کا بھی حشر ہو جو اسلامی مشرق کا ہوا۔

ایچ۔جی ولز (H.G. WELLS) کا قول ہم نقل کر چکے ہیں۔ کہ

"اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے۔ کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا"[۱]

ہیرالڈ لیمب (HAROLD LAMB) لکھتا ہے۔

"چنگیز خان کی جہاں آشوبی و غارت گری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو مر کر از سر نو جنم لینا پڑا۔ خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت، روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں مٹ گئیں"[۲]

چنگیز خان کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی۔ ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ شروع ہو گئی۔ اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت و تبلیغ و اثر سے تاتاری قوم مسلمان ہو گئی[۳]

اسلام کی اس اشاعت کا فرض انجام دینے والوں اور ان بزرگوں اور کار پردازان حکومت کے واقعات کا جن کی اخلاقی بلندی۔ دل آویزی۔ ذاتی کردار اور خلوص و روحانیت کے اثر سے یہ خون آشام اور جنگجو تاتاری اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔ آج بھی دلوں کو تڑپاتے اور روحوں کو گرما دیتے ہیں[۴]

تاتاری من حیث القوم نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد، بڑے بڑے عالم اور فقیہہ

۱؎ A SHORT HISTORY OF THE WORLD. OP. CIT. P. 144

۲؎ GENGHIS KHAN, OP. CIT., P. 206

۳؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مضمون نگار کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ اول ص ۳۲۲-۳۳۴ بعنوان "تاتاریوں میں اشاعت اسلام"۔ ۴؎ ان کے بعض نمونے پروفیسر آرنلڈ کی کتاب PREACHING OF ISLAM اور صاحب مقالہ کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے۔ ان میں متعدد مصنف اور دانشور اور ادیب و شاعر ہوئے۔

"تاتاریوں کا قبول اسلام جس سے ان کا مزاج، ذوق و رجحان اور انسانیت و تمدن کے بارے میں نقطۂ نظر بدلا صرف اسلامی مشرق پر ہی احسان نہیں ہے۔ بلکہ مسیحی مغرب اور ہندوستان کے برِاعظم SUBCOTINENT پر بھی احسانِ عظیم ہیں۔ جس پر اسی ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں انہوں نے بیس بیس بار حملے کئے مگر ترکی النسل مسلمان سلاطین نے جن میں سلطان علاؤ الدین خلجی (م ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء) اس کا فوجی قائد الملک الغازی غیاث الدین تغلق شاہ (م ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۴ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہر بار ان کو پسپا کر دیا۔ اور اس طرح یہ قدیم زرخیز ملک اور اس کا تہذیبی و علمی ورثہ اور خود وہاں کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندو مذہب (اپنی ساری شاخوں کے ساتھ) تاتاریوں کی غارت گری سے محفوظ رہے۔

عالم انسانیت اور بالخصوص مغرب پر (جس کو مستقبل قریب میں اہم اور انقلاب انگیز علمی اکتشافات، ایجادات و اختراعات اور زندگی اور باہمی واقفیت کو سہل بنانے والے وسائل و آلات کا دریافت کرنے والا، اور دنیا کے دسترس میں دینے والا ملک بننا تھا) امت مسلمہ کا کارنامہ اور احسان تھا۔

اس کے بالمقابل اس کا ایک دوسرا کارنامہ یورپ کو علم و فکر کے نئے سرچشموں سے نہ صرف متعارف کرنا بلکہ ان سے مستفید کرنا تھا۔ جس نے یورپ کی قرون مظلمہ (DARK AGES) میں اس کو نئی روشنی دکھائی اور اس نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار کی۔ جس نے نہ صرف یورپ کی دنیا بدل دی بلکہ پوری دنیا کو نئے حقائق و معلومات سے آشنا کیا

اور تجربی علم کا وہ دور شروع ہوا جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی یہ اندلس (MUSLIM SPAIN) جس کے راستہ سے یورپ میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ و حکمت، ریاضی و طب) منتقل ہوا۔ اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی اور منطق استقرائی (INDUCTIVE LOGIC) کا تحفہ تھا اور جس نے قیاس و استخراج کی جگہ لی جس نے مغرب کے طریق فکر ہی کو بدل دیا اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو نہ صرف ترقی کرنے کا موقع ملا بلکہ حقیقت میں ان کا وجود عمل میں آیا۔ مغرب کی ساری تحقیقات، سائنس کے تجربات اور تسخیر کائنات کی جزئی و محدود کامیابیاں اور زندگی کے سفر کی مشکلات کا کسی حد تک ازالہ اسی "منطق استقرائی" کا نتیجہ ہے جس سے یورپ ناآشنا تھا اور جو اس کو آزاد خیال اور جرأت مند محققین کی تحقیق کے مطابق مسلمان اسپین کے ذریعہ حاصل ہوا۔ مشہور فرانسیسی فاضل اور مؤرخ GUSTAVE LEBON لکھتا ہے:۔

"لوگ تجربہ اور معائنہ (منطق استقرائی) کو جدید علمی تحقیقات میں بنیاد کا درجہ دیتے ہیں FRANCIS BACON کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب

اس کا اعتراف کیا جائے کہ یہ پورا طریقہ اور نظامِ فکر عربوں کی دین ہے[۱]

رابرٹ بری فالٹ (ROBERT BRIFFAULT) اپنی کتاب "تعمیرِ انسانیت" میں لکھتا ہے :-

"یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر نہ ڈالا ہو"[۲]

دوسری جگہ لکھتا ہے :-

"صرف طبعی علوم ہی (جن میں اندلسی عربوں کا احسان مسلّم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں۔ اور اس کی اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں"[۳]

یورپ کی ذہنی تاریخ اور عیسائی کلیسا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصلحین اور اس کے بانیوں پر اسلام کے ذہنی و فکری اثرات کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں :-

سولھویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوتھر (LUTHER) کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات کا انعکاس ملتا ہے جیسے کسی شیشہ میں دور کی روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح قرونِ متوسط کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے خلاف تحریکوں سے یہ روشنی چھن چھن کر نظر آتی ہے[۴]

حضرات! ان دونوں انقلاب انگیز احسانات کا اخلاقی اور انسانی تقاضہ ہے کہ ان کے حقیقی سرچشمہ کی عظمت اور احسان کا اعتراف کیا جائے اور اس کے بارے میں کسی تقریب و عنوان سے جب کبھی اظہارِ خیال کیا جائے یا اس کا علمی و تاریخی جائزہ لیا جائے تو اس میں ہم ان اخلاقی قدروں کی پابندی کریں جو ہزاروں برس سے دنیا کی مختلف قوموں، تہذیبوں اور فلسفوں میں قابلِ احترام چلی آرہی ہیں اور اس میں ہم کبھی ثقافت و متانت، توازن و اعتدال اور انصاف و حق پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اس کی تعلیم تمام مذہبی صحیفوں، اخلاقی تعلیمات اور بلند مرتبہ مؤرخین و ناقدین کے کردار و عمل نے دی ہے۔ اور اس پر مذاہب و اقوام ہی نہیں بلکہ علم و دانش کے شیدا اور

---

[۱] تمدن عرب از گستاولی بان ترجمہ از فرنچ شمس العلماء سید علی بلگرامی ص ۴۰۰۔ مطبوعہ اترپردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵ء

[۲] ROBERT BRIFFAULT. THE MAKING OF HUMANITY [۳] IBID. P. 202

[۴] ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مارٹن لوتھر پر مقالہ

باہم استفادہ کا عمل قائم ہے۔ اور جس کے بغیر علمی و ادبی کاوشیں اور تنقید و تبصرہ کا یا رفتار کام ایک سنجیدہ اور تعمیری عمل کے بجائے فحش ناول نویسی، ہزلیات اور دشنام طرازی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور اس سے وہ منفی، انتشار انگیز اور نفرت خیز نتائج رونما ہوں گے جن سے علم و ادب ہزار بار پناہ مانگتے ہیں۔ اور ان سے قوموں، ملکوں کے باہمی تعلقات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔

یہ ایک سطحی اور عامیانہ خیال ہے کہ اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا فرد کی آزادی کو سلب کر لینے اور جبر و استبداد کے عمل کے مرادف ہے۔ اور وہ کسی آزاد ملک کے آئین و دستور کو معطل کر دینے، یا ناقابل عمل بنا دینے کے ہم معنی ہے۔ اظہار خیال کی ایسی آزادی جو تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے۔ انسانیت کے جلیل القدر محسنین و معماروں اور پیشوایان مذاہب کے بارے میں وہ مبتذل اور سوقیانہ زبان و اسلوب اختیار کرنے پر آمادہ کرے جو ہزلیات و طنزیات اور ناول نگاری کے لئے کسی حد تک جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس سے تاریخی حقائق و مسلمات کا خون ہو۔ اور ان قابل صد احترام مذہبی پیشواؤں اور پیغمبروں کے کروڑوں ماننے والوں کے دل زخمی ہوں۔ اور ملکوں اور معاشروں کے مختلف عناصر اور اجزائے ترکیبی کے تعلقات پر اثر پڑے۔ ایک ایسا مجرمانہ فعل ہے جس کی کسی مہذب، امن پسند اور "بقائے باہم" کے اصول پر عمل کرنے والے ملک پر اجازت نہیں دی جا سکتی۔ خود متعدد مغربی مفکرین اور بلند مرتبہ دانشوروں نے اظہار خیال کی آزادی کو غیر محدود اور غیر مقید ماننے سے انکار کیا ہے۔ اور ایسی غیر محدود آزادی کو سلب کر لینے سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہیں۔ یہاں پر صرف دو اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ایسے اقتباسات اور شہادتیں ایک مقالہ سے زیادہ ایک مستقل کتاب کی طالب ہیں۔

"سنسر شپ یا شخصی اخلاقیات کے متعلق قوانین کو شخصی آزادی پر ناقابل برداشت پابندی سمجھ کر اخراج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے سے یہ تصور کر لیتے ہیں کہ جن آزادیوں پر یہ قوانین پابندی عائد کرتے ہیں وہ ایک بہتر (یا کسی بھی) معاشرہ میں انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں۔ اس کے برعکس قوانین کے دفاع کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضرورتیں لازمی نہیں ہیں یا یہ کہ ان ضرورتوں کا حصول ان اقدار کو قربان کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جو شخصی آزادی سے اعلیٰ تر اور انسان کی عمیق ترین ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ اقدار ہیں جو محض داخلی نہیں بلکہ معروضی حیثیت رکھتی ہیں۔

کسی شخص یا کچھ لوگوں کی آزادی کی حد کیا ہونا چاہئے اس موازنہ پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے اقدار مثلاً برابری، انصاف

مسرت، تحفظ یا امن عامہ کے تقاضے کیا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ غیر محدود نہیں ہو سکتی ہے[1]
سینیٹر بلیک اسٹون کی وہ تقریر جو امریکہ میں آزادی اظہار خیال کے قانون کی بنیاد تصور کی جاتی ہے،
اس میں اس نے کہا تھا کہ:-

"ہر آزاد شخص کو بلا شبہ یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر سکے اس پر پابندی لگانا پریس کی آزادی کو ختم کرنا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسی بات چھاپتا ہے جو نامناسب، شرانگیز، یا غیر قانونی ہو تو اسے اپنی اس جسارت کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔ پریس کو محتسب کی قدغن کے ماتحت کرنا آزادیِ ضمیر کو ایک ایسے شخص کے ذاتی رجحان پر چھوڑنا ہوگا۔ جسے علم، مذہب اور حکومت کے اختلافی مسائل فیصلہ کن اور غلطی سے مبرّا مان لیا گیا ہو۔ لیکن خطرناک اور مجرمانہ تحریریں جنہیں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ مقدمہ کے بعد نقصان دہ سمجھا جائے اس پر سزا دینا امن و امان، حکومت اور مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ انہیں پر شہری آزادی کی بنیادیں قائم ہیں۔ اور اس طرح افراد کا ضمیر تو آزاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال پر سزا دینا تعزیراتی قانون کا مقصد ہے۔"[2]

حضرات! ہم اس مضمون کو علامہ اقبال کی ایک نظم پر ختم کرتے ہیں جس سے نہ صرف کانوں کا بلکہ دلوں اور روحوں کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا۔ بلکہ ان احسانات اور فتوحات کا استحضار بھی ہو جائے گا۔ جو بعثت محمدی اور ذاتِ رسالت پناہ سے وجود میں آئیں اور جن کی مثال مذاہب و اصلاحات کی تاریخ اور ناموران عالم کی زندگی میں نہیں ملتی۔

اقبال کہتے ہیں:-

از دمِ سیراب آں امی لقب	لالہ رُست از ریگ صحرائے عرب
حریت پروردۂ آغوشِ اوست	یعنی امروزِ امم از دوشِ اوست
او دلے در پیکرِ آدم نہاد	او نقاب از طلعتِ آدم کشاد

---

[1] ISAIH BERLIN IN MODERN POLITICAL THOUGHT (ed) WILLIAM BBENSTEIN, NEW DELHI, 1974, PP-87-88

[2] ہندوستان کا دستوری قانون جلد اول ص ۴۹۳

هر خداوند کهن را او شکست — هر کهن شاخ از نم او غنچه بست
گرمیٔ هنگامهٔ بدر و حنین — حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ
سطوتِ بانگ صلوات اندر نبرد — قراءت الصافات اندر نبرد
تیغِ ایوبی نگاه بایزید — گنجهائے هر دو عالم را کلید
عقل و دل را مستی از یک جام مے — اختلاط ذکر و فکر روم و رے
علم و حکمت شرع و دین نظم امور — اندرون سینه دلها ناصبور
حسنِ عالم سوز الحمرا و تاج — آنکه از قدوسیاں گیرد خراج
این همه یک لحظه از اوقات اوست — یک تجلی از تجلیات اوست

ظاهرش این جلوه هائے دل فروز
باطنش از عارفان پنهاں هنوز

اس امّی لقب نبی کی خوش انفاسی کے فیض سے صحرائے عرب کے ریگ زاروں میں گل و لالہ کی بہار آگئی۔ آزادی کا جذبہ آپ ہی کی آغوشِ مبارک کا پروردہ ہے۔ اور اس طرح گویا اقوامِ عالم کی موجودہ ترقیاں آپ ﷺ کے عظیم الشان ماضی کا ثمر اور نتیجہ ہیں۔

انسان کے پیکرِ خاکی میں آپ ﷺ نے دھڑکتا ہوا دل رکھ دیا اور صحیح معنوں میں انسان کی صلاحیتوں کا پردہ اٹھایا اور اس کے جوہرِ ذاتی کو آشکار کیا۔

آپ نے تمام ہی خدایانِ کہن کو شکست فاش دی اور آپ کے فیض سے مرجھائی ہوئی شاخوں پر برگ و بار آنے لگے۔

بدر و حنین کی گرمیٔ ہنگامہ آپ ہی کے جوش و خروش کے دم سے تھی اور حضرت صدیقؓ و فاروقؓ، حیدر کرارؓ اور شہید عالی مقام حضرت حسینؓ کی انقلابی شخصیتیں آپ ﷺ ہی کی ہمہ صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

حالتِ جنگ میں بلند ہونے والی اذان کی سطوت و ہیبت اور تلاوت الصافات کی لذت و حلاوت آپ ﷺ ہی کی دی ہوئی ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی شمشیر آبدار اور بایزید بسطامی کی نگاہِ حقیقت بین دو عالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

ساقیٔ کوثر کے جام سے عقل و دل دونوں ہی مست و سرشار ہو گئے۔ اور آپ ﷺ کی تربیت گاہ میں رومی

کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیما ہم آہنگ ہو گئی۔

علم و حکمت، دین و شریعت، انتظام سلطنت اور دنیا کے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب و تلاش اور سینوں درودں کی بے قراری۔

الحمرا اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز و دل افروز جو فرشتوں سے بھی خراجِ عقیدت لے لیتا ہے۔

یہ سب کارنامے آپؐ کے اوقاتِ عزیز و گراں مایہ کے ایک مختصر لمحے اور آپ کی بے شمار تجلیات میں سے ایک تجلی اور ایک جھلک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کے فیض ظاہری کے اثرات ان جلوہ ہائے دل فروز کی شکل میں تو ظاہر ہو گئے۔ لیکن آپؐ کے وجود مبارک کا باطنی پہلو عارفانِ کامل کی نگاہ سے اب بھی پوشیدہ ہے ؛ (بشکریہ تعمیر حیات لکھنؤ)

مؤتمر المصنفین کا سلسلۂ مطبوعات (۲۰)

خطباتِ حقانی (حصہ اول)

افادات

مولانا عبد القیوم حقانی

رفیق مؤتمر المصنفین و استاذ دار العلوم حقانیہ

پیش لفظ

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

تعمیر انسانیت، دعوت و تبلیغ، زہد و قناعت، وجود رب کائنات، فتنۂ انکار خدا، سرمایہ داری اور اشتراکیت، جہاد افغانستان، کمیونسٹوں کے بے پناہ مظالم، کمیونزم کی اجمالی تاریخ، دو کردار اور دو شکلیں اور کئی ایک دیگر اہم عنوانات پر مؤثر خطبات اور ولولہ انگیز تقاریر کا مجموعہ، سب کے لیے فکر و مطالعہ، غور و تدبر کا سامان، نیک اعمال اور اصلاح و انقلاب اُمت کی پُرخلوص دعوت

ضبط و ترتیب: مولانا قاری محمد رمضان

مؤتمر المصنفین

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

قیمت :- ۱۸ روپے

اپنی جہاز راں کمپنی
پی این ایس سی
کے
جہاز
سے مال بھیجئے
بروقت - محفوظ - باکفایت
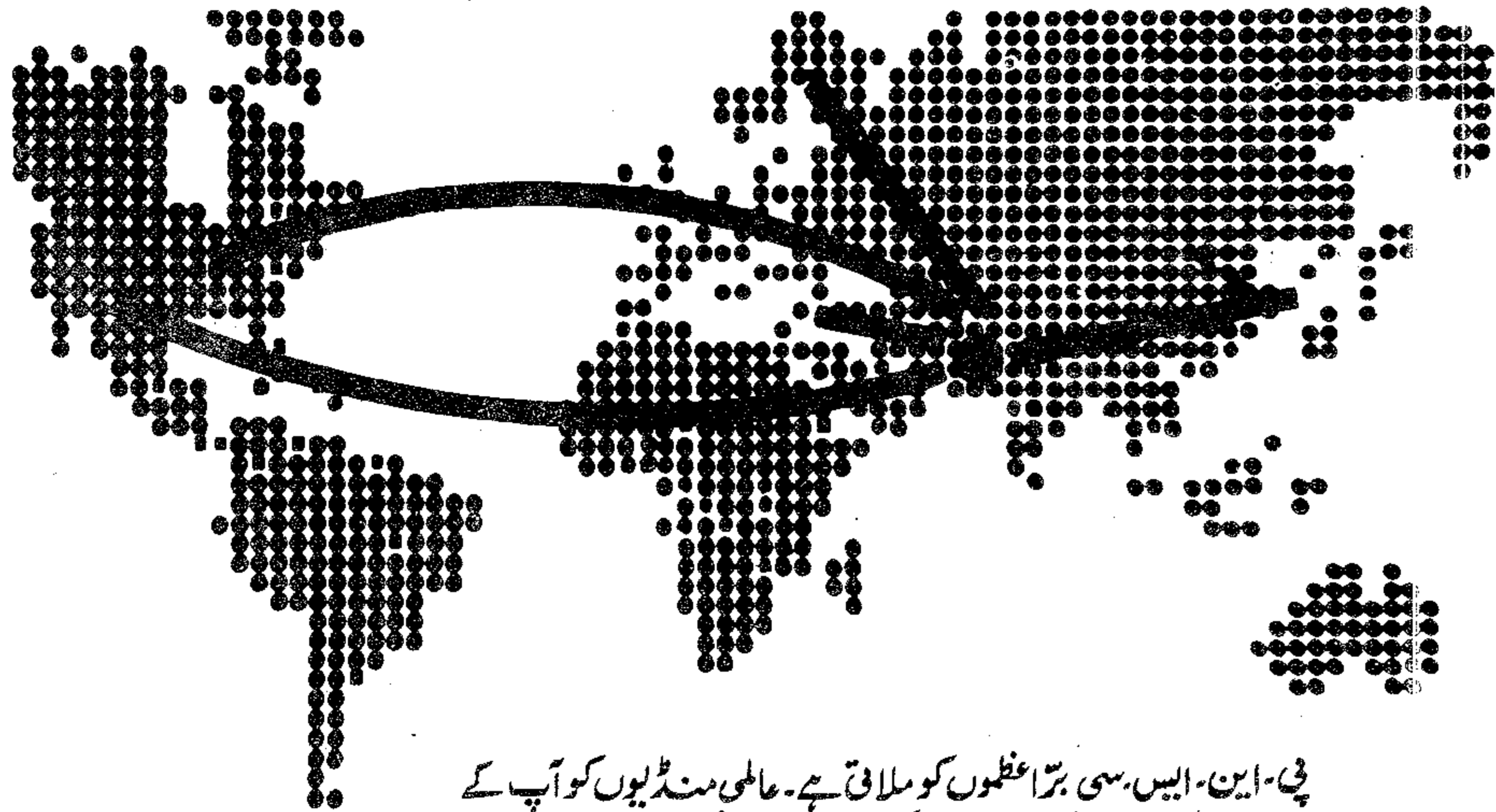
پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ
PNSC

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنّت
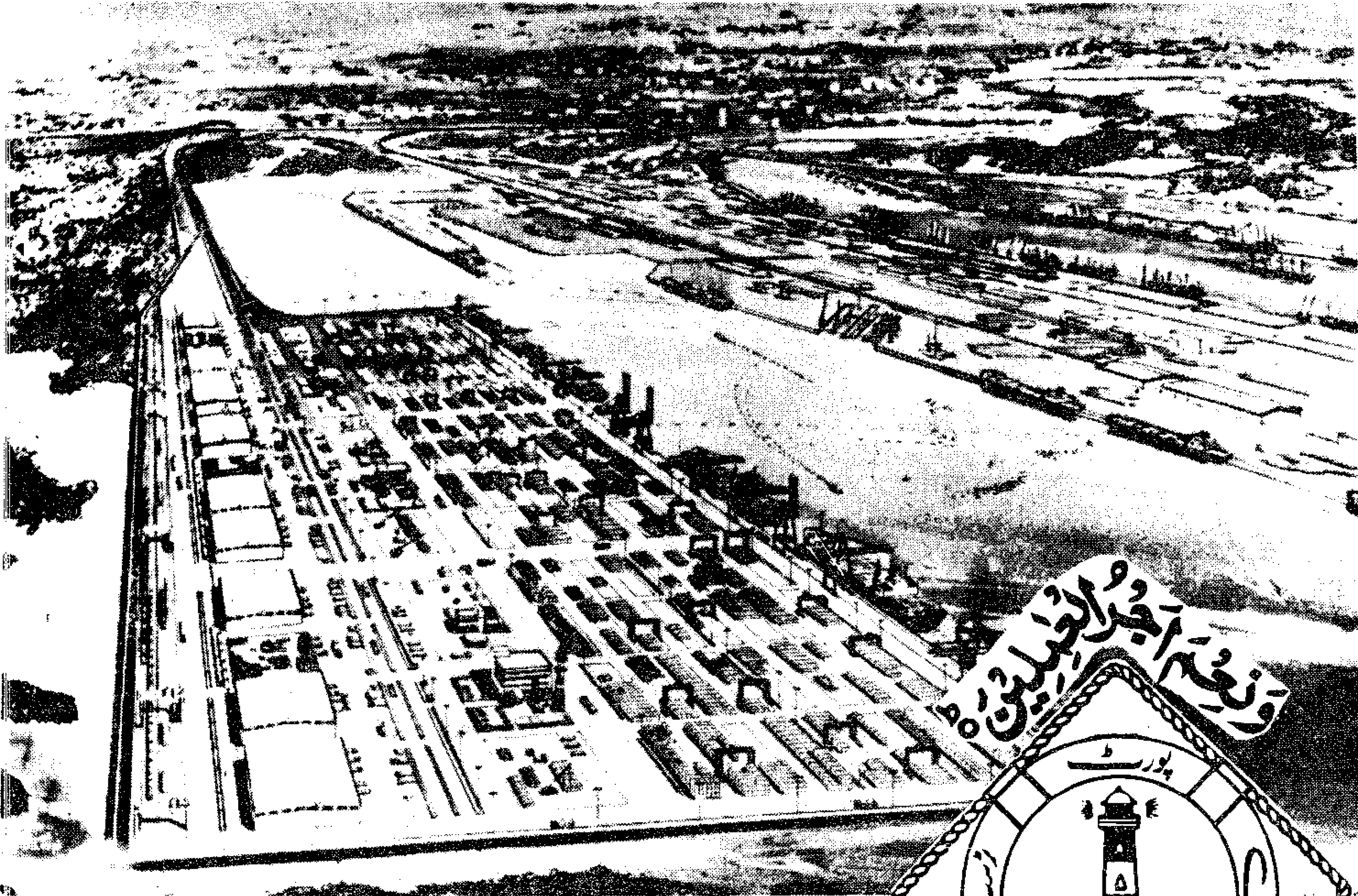
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

میری علمی اور مُطالعاتی زندگی

جناب مدیر "الحق" کے سوالنامہ کے جواب میں

محترم حقانی صاحب! آپ کے بکرات ومرات اصرار کے باوجود عرصہ دراز کے بعد تعمیل کی توفیق مل رہی ہے ۔ آپ
نے پوچھا ہے کہ میں دوران تعلیم ومطالعہ کن کن اساتذہ اور کن کن کتابوں سے زیادہ متاثر رہا ہوں ؟ مختصر جواب
یہی ہے کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ ع

این خانہ تمام آفتاب است

احتمال یہ بھی ہے کہ یہ میری انفعالی کمزوری اور احساس کہتری کی علامت ہو کہ ؎

لختے برد از دل گذر دہر کہ زپیشم
من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ربِّ کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں ہی کی گود میں رکھا
ہے ۔ وذلك فضل الله علينا وعلى كثير من الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون ۔
خداوند قدوس کا کرم ہے کہ اس مہربان ذات نے غلط اساتذہ اور غلط تعلیم سے محفوظ رکھا ؎

ما نبودیم وتقاضا ما نبود لطفِ او ناگفتہ ما می شنود

فلله الحمد والشکر۔

سالہا سال تک اپنے اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا، حال کی طرح ان کے ماضی کو معلوم کیا، اور اب پچاس سال سے
ان کا مستقبل بھی پیشِ نظر ہے، کبھی بھی الحمد للہ افسوس نہیں ہوا کہ ہم کہاں جا گرے، ان کے اغیار کو بھی دیکھا ان کے
ناقدین کو بھی پرکھا، مگر ہزار شکر کہ کہا تو یہی کہا کہ ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک گُل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بُو تھی

اور جو اسلافِ اُمّت کے علوم و معارف اور اعمال و احوال کو پڑھا تو پھر یہی کہا کہ ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک کو دیکھا!
تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بُو تھی

نقشِ اوّل میرے سب سے پہلے اساتذہ میرے والد ماجد قبلہ حضرت مولانا قاضی محمد نجم الدین صاحب ابن قاضی عبدالغفار ابن مُلّا محمد مسکین ابن قاضی احمد ابن مُلّا اصل الدین غفرلی ولہم اجمعین) اور والدہ ماجدہ اور جدّہ مکرّمہ اُم الاب ہیں۔ قرآن مجید ناظرہ والدین سے پڑھا۔ حفظ شہر کے ایک صالح بزرگ جناب حافظ جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا اور فارسی سے لے کر کافیہ تک کی ساری کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ والدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زہد و ورع کا اظہار اور عملی زندگی میں ان کے صبر و قناعت اور اس کے ثمرۂ عاجلہ فہم دین کا اشتہار ان کی ارواح طیبہ کے لیے باعثِ اذیت سمجھتا ہوں، یہ الغافلات المؤمنات پوری زندگی میں قرن فی بیوتکن کی تصویر رہیں اور قانتاتٌ تائباتٌ عابداتٌ کی ایک گونہ تفسیر، والد ماجد اور ان دونوں کا مشترک وصف یہ تھا کہ زندگی کے آخری لمحہ تک جہاں تک مجھے معلوم ہے حج تو خیر کبھی زکوٰۃ بھی شاید فرض نہیں ہوئی، عمر بھر نانِ جویں پر گذاری اور کبھی بھی حرفِ شکایت ان سے سُننے میں نہیں آیا، فقر و عسرت پر نہ صرف صابر بلکہ شاکر بھی رہے ــــــ خمول ان حضرات پر غالب تھا۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھنے کا بارہا نہ صرف قصد کیا بلکہ بعض علماء نے اس کا بہ اصرار تقاضا بھی کیا، لکھنے بیٹھا اور کئی بار لکھنا شروع کیا مگر قلم رُکتا ہی رہا تا آنکہ ارادہ ہی ترک کر دیا۔ مطالعاتی زندگی پر لکھنے کا کئی سال پہلے سے حکم ہوا حتیٰ کہ اب آپ کے بار بار کے اصرار سے جب بھی ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی رہی، اب بھی نہ معلوم تکمیل ہو یا نہ ہو۔

والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی قبر پر ایک دن ایک حافظ صاحب کے ساتھ گیا اُن سے کہا کچھ پڑھو، وہ پڑھنے لگے تو معاً بوجھ پڑا کہ شاید والدہ ماجدہ ناراض ہوں کہ نامحرم سے سنوا رہا ہے خود کیوں نہیں پڑھتا، عجیب اتفاق ہے کہ ایک تیسرے حافظ صاحب جو رشتہ دار بھی تھے بلکہ والدہ صاحبہ کے بھتیجے اور صالح انسان وہ زیارت سے فراغت کے بعد تخلیہ میں مجھ سے کہنے لگے آپ نے خود کیوں نہیں پڑھا نامحرم سے کیوں سنوایا؟ میں نے کہا بات کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ جب اس نامحرم نے پڑھنا شروع کیا تو مجھے بین النوم والیقظہ کی حالت میں یوں محسوس ہوا کہ گویا عمہ مرحومہ نے کروٹ بدل کر رُخ دوسری جانب کو کر لیا گویا ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی خمول پسندی ہی شاید اس کا باعث ہے کہ مجھے کسی مختصر یا طویل مضمون میں ایسا تردد کبھی بھی پیش نہیں آیا جیسا کہ اس مضمون میں، کچا پکا رطب و یابس جو بھی سامنے آیا ایک دم فرصت میں لکھ بھیجتا ہوں، مگر اس کے لیے آپ سے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ بہر حال سب سے پہلے تو ان کی یہی

ادائیں، ہیں جن سے یہ ناکارہ اوّلین مرحلہ میں متاثر رہا۔

اب والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی اور پھر فہم دین کا ایک آدھ واقعہ لکھتا ہوں شاید میری طرح آپ بھی متاثر ہوں۔ نکاح کی ایک مجلس میں ایک دوست بلکہ معتقد کے ہاتھ میں بیٹری (ٹارچ) دیکھی، فرمایا اس سے تو رات کی تاریکی میں بڑی سہولت ہوتی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ قوم محنت کش تھی، نعمتِ ہمت سے محروم نہیں ہوگئی تھی ہر کسی کے پاس اس قسم کی چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں، اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کو یہ رونے اور رُلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ایرانی　　لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

بیٹری (ٹارچ) والے نے کہا قاضی صاحب! رات کے اندھیرے میں واقعی یہ بڑے کام کی چیز ہے، یہ آپ رکھ لیں، رات کو اٹھنے میں آپ کو سہولت پہنچائے گی، آپؒ نے انکار کیا، اُس کے اصرار سے لیکر آ تو گئے لیکن علی الصبح ہی طالبعلم کے ہاتھ واپس کر دی، وہ دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا حضرت! میں بطیبِ خاطر دینا چاہتا ہوں آپ رکھ لیں، آپ نے فرمایا:-

"تمہارے اصرار سے میں رات کو لے آیا لیکن ساری رات پریشانی رہی کہ اس طرح میری عادت بگڑ جاوے گی طبیعت لالچی بن جاوے گی کسی کے پاس کوئی چیز دیکھوں گا تو اشارۃً کنایۃً مطالبہ کرنے لگوں گا، اور یہ نہ مروت ہے اور نہ ہی دیانت"

واقعہ مختصر ہے مگر بنیادیں اس کی بڑی گہری ہیں ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی　　حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

نفس کی مثال دودھ پینے بچے کی سی ہے اگر اسے آزاد چھوڑ دو تو جوانی تک دودھ پیتا رہے گا اور چھڑا دو تو دو چار دن میں چھوڑ دے گا　　نفسانی خواہشات کو ختم کر دینے کا ایک ہی علاج ہے کہ اسے پہلے ہی دن ہمت کرکے چھوڑ دو۔ ع　گربہ روز اوّل باید کشت ——— تسویف یعنی ٹالتے رہنا کہ آج تو نہیں ع فردا ترک ایں سودا کنم ——— یہ ہلاکت ہے۔ آج کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اس برائی کا تخم ڈال دیا ہے تخم ڈالتے رہنا اور یہ سمجھنا کہ اب اُگنے نہیں دوں گا، ایک غلط خیال محال اور جنون ہے ؎

سرِ چشمہ سہل است بستن بہ میل　　چوں پُر شد محال است بستن بہ فیل

یہ ہے علم نافع! اس کے کئی مظاہر والد مرحوم کی زندگی میں دیکھے اور آج تقریباً پچیس سال آپ کی وفات کو ہو رہے ہیں مگر ان سے تاثر گویا آج کی بات ہے۔

آپ کے فہم دین کا واقعہ بھی عرض کر دوں کسی اچھی بھلی متقدر شخصیت نے سوال کیا قاضی صاحب! دین کی باتیں قرآن و سنت میں موجود ہیں، ان کی تفصیلات اور تشریحات مفسرین اور محدثین کی کتابوں میں مل جاتی ہیں، عمل کیلئے یہ

کافی ہیں، پھر یہ جو کسی بزرگ کی بیعت کی جاتی ہے اس کا بھی کوئی فائدہ ہے؟ فرمایا:۔

"یہ کچھ کم فائدہ ہے کہ مرید بننے والا یہ تو مان لیتا ہے کہ کم از کم یہ ایک شخص جس کی بیعت کر رہا ہے" مجھ سے اچھا ہے "

کیا سمجھے آپ! واقعہ یہ ہے کہ دریا بکوزہ کر دیا ہے، بنصِ حدیث اپنا نفس اعدی الاعادی سب سے بڑا دشمن ہے اس کا پہلا اور سب سے آخری سبق بھی ہے کہ تم ہی سب سے اچھے ہو۔ اگر انانیت اور نفسانیت کا کانٹا نکل جاتا ہے تو وصلِ حبیب محبوبِ حقیقی جل مجدہٗ کا راستہ دو ہی گام رہ جاتا ہے۔ دَع نفسک وتعالیٰ نفس کو چھوڑ دو اور لو مجھ سے مل لو ؎

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانۂ ما	کہ بجز درد توکس نیست دریں خانۂ ما

مقصد یہ کہ شیخ کے ہاتھ پکڑ لینے سے نفسانیت کا کانٹا نکلنے کی ابتداء ہوگئی، اب ہمتِ مرداں مددِ خدا وصلِ حبیب کا دروازہ کھل گیا ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغان	خاک اوگشتم وچندیں درجاتم دادند

بندگی سے مراد یہاں اطاعت اور غلامی ہے، اعتماد و انقیاد ہے ع

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

نہ کہ غیر اللہ کی عبادت کہ وہ تو شرک ہے اور وصلِ حبیب میں سب سے بڑی رکاوٹ ؎

نجاست شرک ہے اور دل سکونت گاہ دلبر ہے	مکاں گر ہے نجس دلبر کا رہنا ہو نہیں سکتا

یاد آیا کہ ایک دوست نے اپنے چہرہ کو انوارِ سنت سے مزین کرنے کا عزم کر لیا، سبزۂ نورستہ لیکر حاضر ہوا، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی خوشی ہوئی، میں مدرسہ میں طلباء کو پڑھا رہا تھا میرے پاس لے کر آئے اور فرمایا اسے مبارکباد دو، مجھے بھی خوشی ہوئی، اسے مبارکباد دی اور پوچھا اس رحمتِ الٰہی کا سبب کیا بنا؟ مقصد یہ تھا کہ کس کی نصیحت مؤثر ہوئی کیسے خیال آیا؟ اس سے پہلے والد ماجدؒ نے مشہور پشتو شاعر صوفی عبدالرحمٰن بابا کا شعر سنا کر جواب دیا، شعر پشتو میں ہے، آپ نے بڑی سادگی اور روا روی میں پڑھا لیکن مجھ جیسے غبی القلب کی حالت بھی چند لمحے یکدم بدل گئی اور سمجھ میں آگیا کہ ؎

دادِ حق را قابلیت شرط نیست	بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

جاذبۂ غیبیہ نے مدد کی اور دل پھر گیا، شعر یہ تھا ؎

چہ ضرور د چہ ویوبل خوانہ غواڑم	پہ خپل کور کنیں ھمکنار دے ربّ تما

جس کا حاصل فارسی میں یوں ادا کیا گیا ہے ؎

ہم چو نابینا مبر ہر سوئے دست	ز آنکہ در زیرِ گلیمِ است ہر چہ ہست

اُردو میں یوں کہا جا سکتا ہے ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ہاں اور نجم المدارس کے ایک طالبعلم نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، آخری دنوں میں اسے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوگیا تھا، والحمدللہ۔ اس کا والد آیا وہ داڑھی منڈایا کرتا تھا۔ والد صاحبؒ نے اُسے بچہ کے حافظ ہونے پر مبارکباد دی۔ پھر اس سے پوچھا بچے کو حفظ کیوں کرایا ہے؟ اُس نے کہا کیوں جی یہ اچھا کام نہیں، ثواب کا کام نہیں ہے۔ اُن دنوں ملازمت کے لالچ میں نہیں، لوگ قرآن پاک کو قرآنِ پاک سے شوق کرنے اور ثواب کمانے کے لیے پڑھا کرتے تھے۔ قبلہ والد صاحبؒ نے اس کی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی سادگی سے فرمایا "او بھائی یہ اچھا کام نہیں، ثواب کا کام نہیں؟" بس از دل خیزد بر دل ریزد کی تصدیق سامنے آئی۔ اُس نے کہا قاضی صاحب! آج کے بعد انشاء اللہ اسے نہ اُسترہ لگے گا اور نہ ہی قینچی۔ سلسلہ طویل ہے ہمیں بس است اگر در خانہ کس است

حفظ کے استاذِ مکرم بھی نہایت مسکین، بینائی کمزور مگر اڑھائی تین سال کے عرصہ میں کبھی بھی یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے اشارۃً یا کنایۃً اپنی کسی ضرورت کا اظہار کیا ہو، تا بہ طلب چہ رسد، گویا سب حضرات ؎

ما آبروئی فقر و قناعت نمی بریم با بادشہ بگوئی کہ روزی مقدر است

کا مرقع تھے۔ حرصِ دنیا کی موجودہ وبا میں قدم قدم پر نہ صرف ان سے متاثر ہوں بلکہ ان کی ہمت مردانہ پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔

دُوسری منزل غالباً چودہ سال کی عمر میں مَیں یہاں سے سراج العلوم سرگودھا وہاں چند سال رہنے کے بعد خیر المدارس جالندھر اور پھر وہاں سے دار العلوم دیوبند پہنچا، پہنچا نہیں بلکہ حسنِ تقدیر نے مجھے ان اکابر علماء دیوبند کے زیر سایہ کچھ دن رہنے کی سعادت سے نوازا ؎

گلے بر وند زیں دہلیز ہ پست باں درگاہ والا دست بر دست

حقیقت یہ ہے کہ ؎

اُنکے پاس گذریں چند گھڑیاں اُنہیں کی یاد میری زندگی ہے

یہاں کا پتہ پتہ پھول اور ذرہ ذرہ آفتاب نظر آیا ھم کالحلقة المفرغة لایدری این طرفاھا ان کی مثال ایک گول قیمتی انگوٹھی کی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اوّل کیا ہے اور آخر کیا ؎

مَیں نہ تفصیل کا قائل نہ مساوات کا ہاں مجھ سے گمرہ کی ہدایت کو ہیں یکساں سب ہی

یہاں کے اکابر تو اکابر چھوٹے اور اصاغر بھی سبحان اللہ!

سرگودھا میں مدرسہ عالیہ سراج العلوم کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ متبحر عالم، بڑے قاری

نہایت فصیح و بلیغ خطیب اور مقرر، علامۃ العصر حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگردِ رشید اور قطبِ زمان حضرت مولانا احمد [illegible]
صاحبؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے مجازِ مطلق۔ مگر اخلاق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ میں نے خود انہیں مرکزِ رشد و الہدایہ
روضہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے پاس قطبِ عالم اعلحضرت سیدی مولانا نور المشائخ صاحب کابلی مجددی
قدس سرہ العزیز کی مجلسِ سعادت میں دیکھا کہ علماء و مشائخ کی اعلیٰ سطحی مجلس میں نہایت ساکت و صامت انتہائی ادب
کم و بیش ایک گھنٹہ تک ہمہ تن گوش بیٹھے رہے۔ آپ کے چچا جان فقیہ دوران مولانا احمد دین صاحب کیلویؒ حضرت سے
فارسی میں باتیں کرتے رہے، باہر آکر فرمایا خدا کی قسم ایک لمحہ بھی حضرت کا قلبِ مبارک غافل نہیں رہا۔

میں نے دیکھا کہ جن دنوں آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب مرحوم دار العلوم دیوبند میں
دورہ حدیث شریف میں شریک تھے احقر بھی خوش قسمتی سے اُن کا ہم سبق تھا، حضرت الاستاذ دار العلوم تشریف لائے
تو اپنی عام عادت کے برخلاف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے ملنے گئے تو ادباً و حیاءً کھدر کا جوڑا پہن کر گئے
جو اسی ہی غرض کے لیے سلوایا گیا تھا کہ اس اللہ والے کے عزت و احترام کی ایک صورت یہ بھی ہے ۔۔۔ کیا امام شافعیؒ
امام اعظم ابو حنیفہؒ کی قبر پر جا کر غالباً دعائے قنوت چھوڑ دینے کا عمل اپنی تحقیق کو ترک کرتے ہوئے اسی کے مشابہ نہیں
ہے۔ فما اشبہ الیوم بالبارحۃ ۔۔۔ گویا آج اسلاف کا وہی نقشہ ہمارے اکابر کے پیشِ نظر تھا۔

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رومال لایا گیا تو میرا مشاہدہ ہے کہ آپ ادباً اُٹھ
کھڑے ہوئے، اسے بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا اور واللہ کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے ۔۔۔ آج اعجاب کل
ذی رأی برأیہ (خود پسندی) کے اس دور میں اس قسم کی قلبی محبت اور للّٰہی آداب کا تصور بھی مشکل سے کیا جاتا ہے
جبکہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی ادب تھا۔ بقول حضرت درخواستی دامت برکاتہم اَلدِّیْنُ کُلُّهَا اَدَبٌ۔

بہر حال یہ علم حقیقی اور علم نافع ہی کا اثر تھا کہ ہمارے یہ اکابر فنائے نفس کی دولت سے مالا مال تھے اور اسی کے
صلہ میں من تواضع للہ رفعہ اللہ رفعتِ درجات پر ممتاز رہے۔ اور میں ان حضرات کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ
میں سے اسی کمال سے زیادہ متاثر رہا۔

اور عجیب سُنیئے! اسی سراج العلوم میں میرے مشفق استاذ حضرت مولانا صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے
ایک طالبعلم جو ذرا تنگ دل اور تلخ زبان تھے (اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے) نے ایک دن علیٰ رؤس الطلباء آپ
سے کہا: "اُستاد جی! آپ نے میرے تین سال ضائع کر دیئے، میں تین سال سے یہاں آ رہا ہوں کچھ نہیں سیکھا
آپ سمجھا ہی نہیں سکتے، خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دو گے" حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً نے
ہنس کر فرمایا:۔

"بھائی جان! دو سال کا جواب تو آپ خود اللہ تعالیٰ کو دیں کہ جب پہلے سال معلوم ہو گیا کہ یہاں

کچھ تعلیم نہیں ہے تو پھر دوسرے اور تیسرے سال کیوں آئے؟ ہاں پہلے سال کے متعلق ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔"

یہ حوصلہ اور طلباء دین کی یہ قدر دانی ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حضرت الاستاذ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ خوشاب والوں نے سنا یا کہ میں بیمار ہوا اور مولانا صالح محمد صاحبؒ بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، ملتے ہوئے دست بوسی کا ارادہ کیا تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ یہ کیوں؟ فرمایا آپ میرے استاذ ہیں اور اساتذہ کی دست بوسی جائز ہے۔ فرماتے ہیں میں نے تعجب سے پوچھا ہیں اور آپ تو ہم درس ہیں، ہم استاذ ہیں، میں آپ کا استاذ کب بنا؟ فرمایا میں چھٹی پر گیا تھا اور "ھدایۃ النحو" کے کچھ اسباق رہ گئے تھے، واپسی پر آپ نے ہی ان کا تکرار کرایا، اس لیے آپ میرے استاذ ہیں اور مجھ پر آپ کا ادب کرنا ضروری ہے۔

یہ ہیں میرے اساتذہ جن سے میں متاثر ہوا اور اگر ان سے متاثر نہ ہوں کیونکہ وہ مشاہیر میں سے نہیں ہیں تو پھر مجھے اپنی ایمانی بے حسی پر رونا چاہیئے۔

آئیے اب آپ کو جالندھر کی سیر کراؤں ۔۔۔ خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ محدث بھی، فقیہ بھی، مربی اخلاق اور مربی النفوس بھی، مناظر بھی اور انتہائی منتظمانہ صلاحیتوں کے مالک بھی۔ ان کا ایک ایک وصف جاذب قلب ونظر تھا لیکن آپ کی خاص شان صلح بَيْنَ الْفِئَتَيْن کی تھی اور اسی سے میں زیادہ متاثر رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے اتفاق اور اختلاف دونوں میں خلوص اور للّٰہیت کا جذبہ کار فرما ہے ؎

محبت ہو کسی سے یا عداوت مزہ دے جائے گی جب دل سے ہوگی

یہی وجہ ہے کہ تھانوی اور مدنی گروپ دونوں کے اکابر اور ارباب بصیرت حضرت خیر العلماء پر یکساں اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ خیر المدارس جالندھر میں جس سال میں موقوف علیہ پڑھ رہا تھا حسن اتفاق سے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہما یکے بعد دیگرے جالندھر تشریف لائے، دونوں کا سیاسی اختلاف بر ملا تھا۔ حضرت خیر الاساتذہؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مگر ہر دو حضرات کے میزبان حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ہی تھے۔ دونوں کے قیام کے لیے آپ نے اوپر کا بالاخانہ جس میں آپ کے اہل وعیال رہا کرتے تھے اُسی کو خالی کرایا۔ خیر المدارس کی ساری کائنات جہاں تک مجھے یاد ہے اُس وقت صرف چار کمرے، ایک برآمدہ ریلوے روڈ جالندھر پہ اور ایک مسجد تھی صحن ندارد۔ دونوں اکابر سے صبح کی نماز کی امامت کرائی، دونوں حضرات سے بعد نماز فجر درس اور مختصر خطاب کرایا۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے جب سیاسی جہاد سے کنارہ کشی پر چند کلمات فرمائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ

نے ہلکے سے تبسم سے ہی اس کا جواب دیا، ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالا۔۔۔ اس کے بعد چائے نوشی کی مجلس (جو کہ بہت ہی مختصر تھی) انتہائی فرحت وانبساط کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

میں پہلی بار حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کو تانگہ میں پچھلی سیٹ میں کھدر کی اپنی مخصوص قبا میں دیکھا تو غیر اختیاری طور پر یہ تصور قائم ہوا کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ مہرہ شاید ایسا ہی ہو۔

یہیں جالندھر میں اختلاف و اتحاد کے اسلامی حدود کی پابندی کا منظر بھی دیکھا اور یقین آیا کہ اگر نیت بخیر ہو تو ایسے اختلاف سے تشتت وافتراق اور پریشانی وانتشار کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً گو کہ سیاسی ذہن میں حضرت مہتمم صاحب سے دور اور بہت دور تھے لیکن خیر المدارس کے معاملہ میں بلا مبالغہ یک جان و دو قالب کا مصداق تھے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے وصال پر ملتان کے تعزیتی اجلاس میں "الصدیق" ملتان بابت جلد ا، ۱۳۷۷ھ کے مطابق حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے ذیل کا مرثیہ پیش فرمایا ؎

نفسی الفداء لصارم عریانِ — من باترات اللہ ذی السلطانِ

میری جان اس شمشیر برہنہ پر قربان ہو جو خدائے غالب کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

فذبابہٗ موت الملاحدۃ اللئام — عداۃ دین الحق والایمانِ

اس کی دھار ملاحدہ لئام کی موت ہے، جو دینِ حق اور ایمان کے دشمن ہیں۔

أکرِم بہٖ ارحم بہٖ احلم بہٖ — أعلِم بہٖ بالفقہ والقرآنِ

بہت بڑے کریم بہت بڑے شفیق بہت بڑے بردبار، فقہ اور قرآن کے بہت بڑے عالم۔

مُتمسّکٌ بعری الھدایۃ والرشاد — من کتاب واضح التبیانِ

قرآنِ عزیز کی واضح ہدایات کو مضبوطی سے تھامنے والے۔

درحقیقت یہ انسان تھے اور انسانوں کی طرح ہی زندہ رہے، ان کو یاد کر کے آج کے حالات میں بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ ؎

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند — نیستند آدم غلافِ آدم اند

حاصل یہ کہ لوگ میرے اساتذہ کے علم و عمل، ریاضات و مجاہدات کو دیکھ کر محو حیرت ہیں اور میں سب سے زیادہ ان کے اخلاق، شرافت اور جذبۂ للّٰہیت سے متأثر رہا ہوں کہ یہ چیزیں اب عنقا آشیانہ ہیں اور ان کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند | جہاں تک قطب رحی الاسلام امیرالمؤمنین فی الحدیث، بخاریٔ زمان
حضرت اقدس سیدی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا تعلق ہے آپ کے متعلق میں اس
سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ اما ابن مسعود فابن مسعود فرضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاھما
شمسی بنگالی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

از ہیبتِ آں شیر نر یورپ ہمیشہ نوحہ گر | لرزہ فتادہ بر جگر بنگالہ کردار آمدہ
شیخم حسین احمد نگر گردیدہ در گیتی سمر | کز غایت فضل و ہنر لقمان کردار آمدہ
ظل امیرالہند پائندہ تر دار ای خدا | بر طالبانِ بے نوا کانناش انصار آمدہ

ہزار اختلاف کے باوجود جیل جانے پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا دل جس پر رو رہا ہو، سحر البیان
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس شیخ کی موجودگی کے باعث دیوبند میں تقریر نہ کرنے
کا عزم کر لیا ہو، اُس پر کسی ناکارہ آوارہ بے علم و عمل طالب علم کا کچھ لکھنا ایک جرأتِ بیجا اور یقیناً ناروا جسارت ہے۔
لوگوں میں حضرتؒ کی شہرت کفر و شرک اور ظلم و عدوان کے مقابلہ میں نبرد آزما ہونے کی وجہ سے ہے اور بلاشبہ
یہ وصفِ خاص ع

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن نہیں

کے ماتحت عام نہیں، اس کے لیے ازلی انتخاب اربابِ عزیمت کا مقدر رہا ہے۔
آپ کا شمار اربابِ ذکر کے طبقۂ علیا میں یقیناً صحیح اور بالکل بجا ہے۔ نہ صرف محدث شہیر و کبیر بلکہ
محدثین کرام کے محبوب ترین فردِ فرید ہونے میں شاید آپ کی نظیر دُور دُور تک نہ مل سکے۔ ملکی سیاست
میں علماء کی عزت و آبرو کے آپ ہی محافظ رہے ہیں۔ میں حضرتؒ کے جس وصف خاص سے متأثر ہوں وہ
حضرتؒ کے سرتاپا سیاسی ہونے کے باوجود اور دریائے سیاست کے قعر میں پائے بند رہنے کے ساتھ ساتھ
دامنِ تری کے عیب سے بالکل مبرّا و منزّہ رہے ہیں۔ جب بھی مذہب و ملت اور دین و شریعت کا نام آیا تو
حضرتؒ اپنے تمام حیثیات کو بالکل بھول ہی جاتے تھے، گویا ؎

دلا تو رسم تعلق ز مرغ آبی جو | کہ گرچہ غرق بلا یاست خشک بر خاست

جس سال دیوبند شریف میں میں دورۂ حدیث شریف پڑھ رہا تھا حضرتؒ تین ہفتے لکھنؤ میں مدح صحابہؓ
ایجی ٹیشن کی سرپرستی فرماتے رہے۔ واپسی پر جلسۂ عام میں فرمایا (جو کہ جامع مسجد دیوبند میں مولانا عبدالشکور صاحبؒ
کی صدارت میں ہوا) کہ :-
"لوگ کہتے ہیں یہ کیسا سیاسی شخص ہے کہ ایک فرقہ کے مذہبی مسئلہ میں دخیل بن گیا ہے

فرمایا میں فلاں فلاں لیڈروں کی طرح سیاسی نہیں ہوں، مذہب کا معاملہ پیش آئے گا تو حسین احمد
سب سے پہلے اس میں قربانی دے گا۔"
کھوکھلے اعلانات کی حد تک ہم بھی کہتے رہیں گے لیکن حضرتؒ نے عمل کر کے دکھایا، اور ہم عمل کے وقت
آئیں بائیں شائیں کر کے رضا کاروں کو ورغلا لیتے ہیں۔
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مدنیؒ نے عصر کے بعد کسی سیاسی
جلسہ میں شرکت فرمائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی شریک تھے، مردوں کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔
پورے جوش و خروش سے تقریر فرمائی مغرب کے بعد ہی تلقینِ مریدین میں مشغول ہوئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا خدا کی قسم ذرا بھی قلبِ مبارک پر غبار محسوس نہیں ہوا۔

سیاست اور مذہب کشتی پانی کے بغیر چلائی نہیں جا سکتی لیکن پانی اس کے اندر گھس جائے
تو بھی اس کی تباہی ہے ــــــ مذہب کی کشتی کے لیے مانا کہ سیاست کے دریا میں کودنا مجبوری ہے لیکن اگر
سیاست اس کے اندر پڑی تو مذہب تباہ ہو گیا اور معاملہ یہی رہا کہ ؎

ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی

سیاست جب تک مذہب کے لیے رہے اور مذہب ہی کی پابند رہے تو عین مقصود ہے لیکن مذہب کا نام
سیاست کے لیے استعمال کیا جاتا رہے تو بالکل زندقہ و الحاد ــــــ شرم کی بات ہے کہ شریعت کو مغربی جمہوریت
پر قربان کرتے ہوئے بھی ہم حضرت مدنیؒ کے نام لیوا شمار ہوتے ہیں ؎

با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

حضرت مدنیؒ تو مدح صحابہؓ کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو جیل بھجوائیں اور ہمارا دشمنانِ صحابہ سے ووٹ
حاصل کرنے کے لالچ میں یارانہ ہو تو بھی ہم کو حضرت مدنیؒ کا غلام سمجھا جائے، واہ قوم کی سادہ دلی ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

سیاست کو مذہب پر قربان کیا جائے جیسا کہ حضرت مدنیؒ کا وطیرہ تھا تو یہ سیاست برائے مذہب ہے
اور اگر مذہب کو سیاست کے لیے پسِ پشت ڈالا جائے تو مذہب برائے سیاست ہے۔ پہلا نہ صرف جائز بلکہ
فرض اور دوسری صورت دھوکہ، فریب اور حرام و ناجائز۔
حضرت مدنیؒ کی ایسی سیاست سے یہ ناکارہ بہت ہی متأثر ہے اور اس قسم کے واقعات حضرتؒ کی زندگی کے قدم قدم پر
سنے جا سکتے ہیں مگر ایسے واقعات اب نہ سنے جاتے ہیں اور نہ ہی سنائے جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ؎

دُرد یغا رسِ ساقیا باقی نماند آں قدح بشکست آں ساقی نماند

(باقی ص ۵۴ پر)

UF
UNIFOAM
ہر گھر
ہر دفتر
کی زینت
یونی فوم
جہاں آرام کا نام آیا - آپ نے یونی فوم کو پایا

جناب طالب ہاشمی صاحب

فتنۂ قادیانیت

اور

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

مارچ ۸۵ء کے الحق میں عنوانِ بالا پر مولانا مدرار اللہ صاحب کے مقالے کی دوسری قسط کا بغور مطالعہ کیا مگر افسوس کہ فاضل مضمون نگار ایک سطر بھی اس بات کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکے کہ مولانا دریابادی مرحوم قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ منطقیانہ انداز میں موضوع سے ہٹ کر جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے احقر کے موقف کی تردید نہیں ہوتی۔ ہاں یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس سے اپنے علم و فضل کا اظہار مقصود ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر فاضل مقالہ نگار کی یہ کاوش محض تحصیلِ حاصل ہے کیونکہ یہ ہیچمدان کسی بحث میں الجھے بغیر ہی ان کے تبحرِ علمی کو تسلیم کرتا ہے۔ ہاں ان کے ارشادات کے جواب میں قلم برداشتہ چند گزارشات اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ "حاضر و ناظر" کے مسئلہ کا موضوعِ بحث سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو ایک اصطلاح یا ترکیب یا روزمرہ کا محاورہ ہے جس کا مطلب ہے موجود اور دیکھنے والا۔ لغت کی رو سے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ عدالتوں میں اور بعض دوسرے موقعوں پر ان الفاظ کے ساتھ قسم بھی اٹھائی جاتی ہے۔ ایک سادہ سی ترکیب میں الجھاؤ اور ابہام پیدا کرنا محض خلط مبحث ہے۔ اس ترکیب کا اردو میں عام چلن ہے۔ مولانا سے گذارش ہے کہ کتبِ لغت (فیروز اللغات، علمی لغات وغیرہ) پر ایک نظر ضرور ڈال لیں۔

۲۔ مقالے میں مولانا نے ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم کی بعض تحریریں جو نقل کی ہیں۔ لاہوری اور قادیانی عقائد کا جو فرق واضح کیا ہے اور فقہائے احناف اور مسئلہ تکفیر کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے ان کی اس ساری کدوکاوش کا مطلب اور مقصود سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر ان سب باتوں سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے بارے میں مولانا دریابادی مرحوم کی رواداری بہت سے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا سبب نہیں ہوئی۔

۳۔ صفحہ ۵۳ پر مولانا مدرار اللہ صاحب نے یہ فقرہ لکھ کر اپنی تمام بحث و تمحیص کے مدلّل ہونے کا پردہ

چالاک کر دیا:- "اس وقت مولانا دریابادی زندہ ہوتے ....."

گویا مولانا مدرار اللہ صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جب (ستمبر ۱۹۷۴ء) میں پاکستان میں آئینی طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا مولانا دریابادی زندہ وسلامت ہمارے درمیان موجود تھے۔ وہ اپنے مسلک سے اعلانِ برأت کیا کرتے، اس آئینی ترمیم پر سخت برہم ہوتے اور "صدقِ جدید" میں اس کی پُر زور مخالفت کی۔ وہ جنوری ۱۹۷۷ء میں فوت ہوئے۔ کیا یہ عاجز نہایت ادب کے ساتھ مولانا مدرار اللہ صاحب کی توجہ اس حکمِ ربانی کی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

یہ بات البتہ قابلِ اطمینان ہے کہ مولانا نے دبی زبان میں تسلیم کر لیا کہ:-

"مولانا دریابادی مرحوم نے (قادیانیوں کی حمایت کا غلط) مسلک ایک (گمراہ کن اور غلط) تاویل کی رو سے اختیار کیا تھا"

۴۔ قسط ۲ کے آخر میں "حاصلِ کلام" دیکھ کر معلوم ہوا کہ فاضل مقالہ نگار یہ ساری عرق ریزی اس لئے کر رہے ہیں کہ قادیانیت کے بارے میں مولانا دریابادی کے مسلک کی کوئی "نیک" تاویل کی جائے سبحان اللہ۔ اس میں انہوں نے شیخ محی الدین ابن العربی کے بارے میں ایک بالکل غیر متعلق بحث چھیڑنے کی کوشش کی ہے ان کی یہ مثال بے محل ہے اور ان کا یہ لکھنا بھی جزوی طور پر صحیح نہیں کہ

"اس کے باوجود اربابِ علم ومعرفت ان کو "شیخ اکبر" کے لقب سے یاد کرتے ہیں"

احقر، فاضل مقالہ نگار سے بصد ادب پوچھتا ہے کہ کیا ان کے نزدیک امام ابن تیمیہؒ، علامہ رضی الدین الخیاط، امام ذہبیؒ، ابن ایاسؒ، علی القاریؒ، علامہ جمال الدین محمد بن نور الدینؒ صاحب کشف الغمۃ اور متعدد دوسرے علما اربابِ علم ومعرفت میں شامل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ذرا یہ بھی بتائیے کہ انہوں نے ابن العربی کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

بلاشبہ مجد الدین فیروز آبادیؒ، الفخر الرازیؒ، امام سیوطیؒ، امام شعرانیؒ، علامہ سراج الدین مخزومیؒ اور بعض دوسرے علماء ابن العربی کے مداحوں میں شامل ہیں مگر جن علماء نے ان کو گمراہ اور زندیق کہا ہے (فصوص الحکم کی بعض عبارتوں کی بنا پر) ان کے بارے میں کوئی "نیک" تاویل نہیں کی۔ اور بڑے پُر زور انداز میں ان کو "ہدف" بنایا۔ کیا وہ سب (آپ کے نظریہ کے مطابق) "اکابر بزرگوں" کی صف سے نکل گئے؟

چلئے یہ عاجز آپ کی اس تحریر کے بارے میں یہ "نیک" تاویل کرتا ہے کہ "اربابِ علم ومعرفت" سے پہلے "بعض" کا لفظ آپ سے سہواً چھوٹ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن العربی کی شخصیت اور افکار وعقائد کے بارے میں "اکابر بزرگوں" کے درمیان سخت اختلافات ہیں۔ آپ کا ان کو اس بحث میں لے آنا

بالکل بے جواز ہے معلوم نہیں، فاضل مقالہ نگار کو ان لوگوں کے جذبات کا اندازہ کرنے میں کیا چیز مانع ہے جن کے سینے، قادیانیوں کے بارے میں (بلکہ شاتم صحابہؓ گروہوں کے بارے میں بھی) مولانا دریا بادی مرحوم کی "نیک" تاویلوں کی ناوک افگنی سے فگار ہیں۔ یہ "نیک" تاویل کی فلاسفی تو دودھاری تلوار ہے واضح دلیل کے جواب میں "نیک" "تاویل"؟ یا للعجب

سیدھی بات تو یہ ہے کہ آپ کھلے دل سے (ایک عالم حق کی حیثیت سے) یہ بات تسلیم کر لیں کہ بعض گروہوں کے بارے میں مولانا دریا بادی مرحوم سے چوک ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس لغزش کو معاف فرمائے اور ان کی دوسری دینی خدمات کو قبول فرما کر مغفرت سے نوازے۔

باقی رہی یہ بات کہ ہمارے بعض عظیم المرتبت بزرگ مولانا دریا بادی مرحوم کے مداح تھے تو ان کی یہ مدح و تعریف و توصیف مولانا کی دوسری دینی خدمات کی بنا پر تھی۔ انہوں نے قادیانیت اور روافض کے بارے میں ان کے روادارانہ مسلک (افکار و نظریات) کی کبھی تصدیق و تصویب نہیں فرمائی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو ان کو بار بار ٹوکتے رہے۔

مدح و توصیف کے کچھ اسباب تھے جن میں مولانا دریا بادی مرحوم کا کفر و الحاد سے تائب ہو کر دوبارہ دائرۂ اسلام میں آنا بھی شامل ہے۔ اسی لئے یہ عاجز بھی مولانا دریا بادی کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی کسی بھیانک لغزش کو بھی لغزش نہ کہا جائے۔ اور اس کی "نیک" تاویلیں کی جائیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان کی ایسی لغزشوں نے بہت سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کی سخت دلآزاری کی اور بہت سے سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کیا) اگر ضروری ہوا تو اس موضوع پر مولانا مدرار اللہ صاحب کے مضمون کی چوتھی قسط دیکھ کر مزید گفتگو ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما علینا الا البلاغ

اپریل ۱۹۸۹ء کے "الحق" میں عنوان بالا پر مولانا مدرار اللہ صاحب کے مقالے کی تیسری قسط بھی بغور پڑھی پھر پہلی دو قسطیں از سر نو پڑھیں اور دیانتداری کے ساتھ محسوس کیا کہ مولانا نے محض اپنی بات کی پیچ رکھنے کے لئے بحث کو بہت طول دے دیا ہے اور کئی غیر متعلق مسائل اس کے درمیان لے آئے ہیں۔ ایک عالم دین سے جو فتنۂ مرزائیت کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے ایسے "تاویلانہ" طرزِ عمل کی توقع نہیں تھی۔ احقر نے بحث و مناظرہ سے ہمیشہ اپنا دامن بچانے کی کوشش کی ہے۔ اب بھی وہ اس بحث میں ہرگز نہ الجھتا مگر صرف اس وجہ سے قلم اٹھانے پر مجبور رہا (باوجود اپنے بڑھاپے اور ضعفِ بصر کے) کہ جب مولانا مدرار اللہ صاحب جیسے جید عالم دین بھی مولانا دریا بادی مرحوم کے گمراہ کن تاویلاتی موقف کے لئے نیک تاویلیں ڈھونڈنے لگیں

اور ان کے موقف سے اظہار برأت کرنے کے بجائے یہ فرمائیں کہ طالب ہاشمی نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ مرزائیوں کے مفاد میں جاتا ہے یعنی مرزائیوں کے مفاد کو خوراک تو مہیا کریں مولانا دریابادی اور خطا کار ٹھہرے طالب ہاشمی کہ وہ مولانا دریابادی کی اس روش پر معترض کیوں ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح عام سیدھے سادے مسلمان اس مرزائیوں کو مسلمان سمجھنے کے دام ہمرنگ زمین میں آسانی سے پھنس جائیں گے۔ سچ فرمایا حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے کہ (مولانا دریابادی کی مرزائیوں پر) شفقت کا انجام سیدھے سادے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے کہ وہ اچھی طرح ان کا شکار ہوا کریں گے۔

(ماہنامہ النور تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ)

تیسری قسط کے جواب میں اس فقیر کی معروضات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ (ا) فاضل مقالہ نگار نے شیخ ابن العربی کے حوالے کے سلسلے میں فرمایا ہے۔

"میری ان معروضات کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کو مسلمہ اکابر کے حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہئے"

آخر مقالہ نگار کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہ حفظ مراتب کا تقاضا تبھی پورا ہو سکتا ہے جب کسی شخص کے غلط اور گمراہ کن نظریے کو غلط اور گمراہ کن نہ کہا جائے۔ اور اس کے لئے ہر صورت میں کوئی نیک تاویل تلاش کی جائے یہاں تک کہ ختم نبوت کے منکروں اور اجرائے نبوت کے قائل لوگوں کو جو لوگ مسلمان سمجھتے ہیں اُن کو عظمت کی مسندوں پر بٹھانے پر پورا زور قلم صرف کیا جائے۔

اگر حفظ مراتب اسی کا نام ہے تو یہ عاجز اس سے سو بار خدا کی پناہ مانگتا ہے۔

(ب) "مسلمہ اکابر" کی مقالہ نگار کے نزدیک، معلوم نہیں، کیا تعریف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخصیت ان کے خیال میں "مسلمہ اکابر" میں شامل ہو اور دوسرے اس کے برعکس خیال رکھتے ہوں۔ ان کو پورا حق ہے کہ اپنی محبوب اور ممدوح شخصیتوں کو "مسلمہ اکابر" میں شامل کر لیں لیکن وہ دوسروں کو ایسا سمجھنے اور کہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

(ج) بلاشبہ (جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے) اجتہادی غلطی کے لئے شیخ ابن عربی پر تشنیع جائز نہیں مگر کیا ختم نبوت کے منکرین کو ایمان فرعون کے بارے میں مسلمان سمجھنا بھی اجتہادی غلطی کے دائرے میں آتا ہے؟ فی الحقیقت جب کسی گروہ کی تکفیر پر تمام علمائے اُمت کا اجماع ہو اور کوئی شخص اس اجماع کے خلاف بار بار متنبہ کئے جانے کے باوجود) اپنی رائے پر اصرار جاری رکھے اور بعض تنبیہ کرنے والوں سے اپنے تعلقات منقطع کر لے) اسے اجتہادی غلطی کہنا فاحش غلطی ہے۔

(د) مولانا نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جو عبارت نقل کی ہے:۔

" ... ارا بہ نص کار است نہ بہ فص ......"

اس سے تو شیخ ابن عربی کے نظریات سے سخت بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی تحریروں میں اور بھی متعدد مقامات پر شیخ ابن عربی کے افکار و نظریات پر سخت تنقید کی ہے۔ مقالہ نگار "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو حکمت و معرفت سے لبریز سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو نقشبندی کہہ کر ان کا ایسا سمجھنا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ ورنہ علمائے نقشبند "ہمہ اوست" کی بجائے "ہمہ از وست" کے قائل ہیں اور پھر معروف اکابر امت میں سے تقریباً نصف نے "فصوص الحکم" کی بعض عبارتوں کو الحاد اور زندقہ قرار دیا ہے تو پھر حفظ مراتب کہاں؟

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ شیخ ابن عربی کے بارے میں جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ حقائق کا اظہار ہے اس فقیر کی ذاتی رائے نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اندر اتنی علمی استعداد نہیں پاتا کہ شیخ ابن العربی کی تحریروں کے غوامض و اسرار کو سمجھ سکے بالخصوص فصوص الحکم کی عبارتیں تو اتنی گنجلک اور ادق ہیں کہ آج سے نصف صدی پہلے سارے برصغیر میں گنتی کے چند اصحاب کے سوا ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ ان میں مولانا تھانویؒ۔ شاہ سلیمان پھلواریؒ اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ اب یہ بات باعث مسرت ہے کہ ہمارے درمیان مولانا مدرار اللہ جیسے فاضل زمانہ موجود ہیں جو فصوص الحکم کو سمجھتے ہیں۔

اسی طرح مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے مولانا دریابادی کے بارے میں یہ جو لکھا ہے :-

" مولانا جب کوئی رائے قائم کر لیتے تو اس کو آسانی سے ترک نہیں فرماتے اور اکثر اوقات مداخلت یا مشورہ اس میں پختگی اور شدت پیدا کر دیتا ہے "

مولانا مدرار اللہ صاحب دل پر ہاتھ رکھ کر غور فرمائیں کہ کیا "علم و تقوٰی اور سلوک و طریقت کے بہت اعلیٰ مقام پر فائز، کسی بزرگ کی یہی شان ہوتی ہے کہ بشری کمزوری، یا فقدانِ معلومات یا کسی اور وجہ سے کوئی غلط رائے قائم کرے اور پھر اس سے رجوع کرنا کسی صورت میں گوارا نہ کرے بلکہ اپنے ناصحین اور خیر خواہوں کا مشورہ سن کر اپنی رائے میں شدت اور پختگی پیدا کر لے یہاں تک کہ اپنے شیخ طریقت کے مشورے یا تنبیہ کو بھی رد کر دے اور ایک ایسا فتوٰی جس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے اس کو بھی تسلیم نہ کرے بلکہ اس کو غلطی قرار دے؟ اس عاجز کو تو اس طرز عمل کے لئے انا مغلوب الغیضی اور ضد کے سوا کوئی اور موزوں الفاظ نہیں سوجھتے۔ حفظ مراتب پر غیرت دینی کو تو قربان نہیں کیا جا سکتا؟

۲۔ فاضل مقالہ نگار نے لاہوری مرزائیوں کے عقائد خصوصی طور پر بیان کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مولانا دریابادی صرف لاہوری مرزائیوں کی تکفیر کے خلاف تھے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ قادیانی اور لاہوری دونوں

گروہوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ لاہوریوں پر ان کی خاص نظرِ عنایت اس لئے تھی کہ وہ ان کے امیر کا ترجمۂ قرآن پڑھ کر کفر و الحاد سے تائب ہوئے تھے (خود ان کے اپنے قول کے مطابق)

۳- اب آیئے مولانا دریابادی کے اس دعویٰ کی طرف کہ "اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی سے دعویدارِ نبوت ہوا ہی نہیں —— اور یہ دلیل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوے کی سچائی کی کہ میں آخری پیغمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا تو اپنے آپ کو کھلم کھلا محمدی اور متبع کامل دینِ احمدی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نبوت تو ان کے زعم میں اصطلاح میں تمامتر اتباعِ رسولؐ ہی ہے"

مولانا مدار اللہ صاحب نے مولانا دریابادی کی اس تحریر کو جاں بخش اور جانفزا قرار دیا ہے اور راقم کے اس موقف کو کہ "مرزا غلام احمد کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے سنجیدگی سے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، پرلے درجہ کی غلط اور گمراہ کن بات ہے" یہ کہہ کر رد کر دیا ہے۔ "سنجیدگی کا مطلب یہ ہے کہ مدعی جس قسم کا بھی دعویٰ کرے وہ معقولیت پر مبنی ہو اور اس کے لئے جو صلاحیت اور اہلیت ضروری ہو وہ مدعی عملاً ثابت کر دکھائے"

جناب محترم! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تو نصوصِ صریح اور بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے اس پر تمام صحابۂ کرام اور تمام امت کا (سلف سے خلف تک) اجماع ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ حضورؐ کے آخری پیغمبر ہونے کے دعویٰ کی صداقت کے لئے کوئی اور دلیل بھی درکار ہے تو وہ سخت ناروا جسارت کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ کتنی گمراہ کن اور مضحکہ خیز بات ہے کہ کسی شخص کے "سنجیدگی سے دعویدارِ نبوت نہ ہونے" کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے دعوے کی دلیل ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اگر اس کو اضافی دلیل قرار دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بارے میں کیا ارشاد ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ابوداؤد کتاب الفتن)

گویا اس حدیث کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس کذاب نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے کہ جب وہ کذاب ہوں گے۔ تو ان کے دعوے میں معقولیت اور صلاحیت و اہلیت تلاش کرنا محض حماقت ہے

مولانا مدار اللہ صاحب نے "سنجیدگی" کا عجیب مطلب بیان کیا ہے ع

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

انہوں نے مدعی نبوت کے سنجیدہ ہونے کے لئے جو خود ساختہ شرطیں رکھی ہیں ایک کذاب کے لئے تو ان کا پورا کرنا ناممکن ہے۔ عملاً ثابت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کسی کذاب کا سنجیدگی کے ساتھ جھوٹ بولنا کوئی انہونی بات نہیں۔ آج کل دنیا کے اکثر سیاستدانوں کو دیکھ

لیجئے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور اس جھوٹ پر شرمانے کی بجائے فخر کرتے ہیں۔

جناب محترم! سیدھی سی بات ہے کہ جعلسازی، فریب کاری یا سازش کرنے والے اپنی منصوبہ بندی پوری سنجیدگی سے کرتے ہیں مگر جب دعویٰ سرے سے جھوٹا ہے تو اس میں معقولیت کہاں سے آئے گی۔ اب سارا مرزا کا دعویٰ تو یہ سارا کاروبار محض جعلسازی تھا مگر اس کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے بڑی ہوشیاری اور سنجیدگی سے منصوبہ بندی کی تھی اگر وہ اس معاملے میں سنجیدہ نہ ہوتا تو اپنی نبوت کاذبہ پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر کیوں قرار دیتا۔ اور اپنے متبعین کو ان کا جنازہ پڑھنے سے بھی کیوں منع کر دیتا۔ اپنے مخالفوں کو کیوں غلیظ گالیاں دیتا۔ اور پھر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور متعدد دوسرے علماء حق کو کیا پڑی تھی کہ اس کے مباہلہ کا چیلنج قبول کرتے اور اس کے دعوے کی تردید میں (اور اس کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے) ہزاروں صفحات سیاہ کرتے اگر یہ علمائے حق میدان میں نہ اترتے تو کروڑوں مسلمان مرزا کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے۔ ان حقائق کے باوجود مولانا دریابادی کا یہ کہنا کہ "مرزا تو اپنے آپ کو کھلم کھلا محمدی اور متبع کامل دین احمدی کہتے اور ان کی نبوت تو ان کے زعم و اصطلاح میں تمامتر اتباع رسولؐ ہے"، سخت مغالطہ انگیز اور گمراہ کن ہے۔

فاضل مقالہ نگار جیسے جید علماء دین کا ایسی تحریروں کا دفاع کرنا اور ان کی تاویلیں کرنا اور بھی خطرناک ہے۔ مرزا کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ اس کی نبوت کاذبہ کی بنیاد اتباع رسولؐ پر ہے۔ یا تو تجاہل عارفانہ ہے یا لاعلمی ہے (کہ مرزا کی تمام تحریریں پڑھے بغیر ہی یہ دعویٰ کیا گیا ہے) اور یا دانستہ مسلمانوں کے دل میں مرزائیت کے بارے میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ ذرا مرزا کے "متبع کامل دین احمدی" کی حقیقت، ملاحظہ فرمائیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ نقل کفر کفر نباشد۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۴۱، ۶۲۲)

۲۔ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت کا وجود قرار دیا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰)

۳۔ منم مسیح زماں منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد (تریاق القلوب صد)

۴۔ مجھے اپنی وحی پر توریت و انجیل و قرآن کی طرح یقین ہے (اربعین نمبر ۴ صد ۲۴)

۵۔ قرآن کریم کی متعدد آیات جو حضورؐ کی شان میں نازل ہوئیں، مرزا نے حقیقۃ الوحی میں دعویٰ کیا کہ

ان کا مصداق میں ہوں (نعوذ باللہ) آیات یہ ہیں۔ آل عمران ۱۳۱۔ الانعام ۱۹۴۔ الانفال ۱۷ بنی اسرائیل ۱۔ الانبیاء ۱۰۷۔ یٰس ۱ تا ۴۔ فتح ۱۔۲۔

اس طرح کی بیسیوں مثالیں اور ہیں ان کو یہاں درج کرنے سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ مقالہ نگار نے تکفیر کے سلسلہ میں علمائے احناف کا مسلک بڑی شد و مد سے بیان کیا ہے لیکن وہ اس بات کو بھول گئے کہ مرزائیوں کی تکفیر پر تمام علمائے احناف کا بھی اجماع ہے۔

احقر کو جو کچھ عرض کرنا تھا، اختصار کے ساتھ کر دیا۔ اب بھی اگر مولانا مدار اللہ صاحب، مولانا دریا بادی کی اس قسم کی تحریروں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے (اس سلسلے میں) غلط مسلک کے لئے نیک تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔ تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ اگر ان کے زور قلم کے نتیجے میں کوئی مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری انہی پر ہو گی۔ آخر میں اس مضمون کو مولانا ابو سلمان شاہجہانپوری کے درج ذیل الفاظ پر ختم کیا جاتا ہے۔ (بہت سخت الفاظ حذف کر دئے گئے ہیں)

"اُن (مولانا عبدالماجد دریابادی) کا انتہا پسندانہ رویہ جو زندگی کے تقریباً ہر معاملہ میں رہا۔ وہ اپنی زندگی کے ایک دور میں الحاد میں مبتلا رہے تھے اس زمانے میں وہ خدا اور رسول ؐ کے لئے تصنیف و تالیف کے عام نقطۂ نظر سے اور رسمی طور پر بھی تہذیبی و تعظیمی الفاظ و انداز تخاطب اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور جب مذہب کی طرف آئے تو پھر اس میں بھی فکر و عمل کی کوئی معتدل و مستقیم راہ اختیار کرنے کے بجائے .... ایک طرف حریت فکر کا یہ عالم کہ منکرین ختم نبوت کو دائرۂ اسلام سے باہر چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور بڑے فاسقوں اور فاجروں کو خدا کی رحمت کا مستحق بنا دیا۔ اور ناراض ہوئے تو مولانا آزاد کو بھی خدا کی بخشش و رحمت سے محروم کر دیا۔

غرضیکہ مولانا دریا بادی کے فکر و عمل میں اعتدال و توازن کا فقدان زندگی بھر رہا۔

(نقوش لاہور، ادبی معرکے ج ۲ ص ۵۹۵)

مولانا مدار اللہ صاحب نے شیخ محمد اکرم اور منشی عبدالرحمٰن مرحوم کی تحریروں کے جو حوالے دئے ہیں احقر نے دانستہ ان پر گفتگو نہیں کی۔ کہ اس سے بحث کا رخ کسی اور طرف مڑ جاتا۔ وما علینا الا البلاغ

نوٹ ۔ مندرجہ بالا موضوع پر بحث و تحقیق کے مفصل مضامین آ گئے ہیں اور اسی پر یہ سلسلہ بند کیا جا رہا ہے البتہ اس سلسلہ میں قارئین کے تاثرات اور آراء کے دلچسپ اقتباسات آیندہ شمارے میں شائع کئے جائیں گے۔ (ادارہ)

قارئین بنام مدیر

افکار و تأثرات

مجاہدین افغانستان کی استقامت اور تائید غیبی

افغانستان میں روس کی یلغار کے مقابلہ میں افغان مجاہدین کی مثالی قربانیوں اور عالمی سطح پر حکومت پاکستان کی غیر معمولی استقامت کے نتیجہ میں ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء کو افغانستان کی سرزمین سے روس کو اپنا آخری سپاہی بھی نکالنا پڑا۔ تاہم روس نے اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے نئی حکمت عملی اختیار کی۔ ایک طرف مجاہدین میں انتشار، اختلاف اور باہمی رقابت اور دوسری جانب اپنے پٹھو نجیب کو مسلسل بے تحاشا اسلحہ کی ترسیل اور غیر محدود اقتصادی امداد مہیا کرنا جب کہ امریکہ کو روس کی ذلت آمیز شکست کے بعد افغان مجاہدین سے کوئی قابل ذکر دلچسپی نہیں رہی۔ امریکہ نے اپنی روایتی خودغرضی برتتے ہوئے مجاہدین کی امداد میں سرد مہری اختیار کی حتیٰ کہ پاکستان میں روسی ایجنٹ بغلیں بجانے لگے۔ کہ امریکہ افغانستان میں روسی مفادات کی نگہداشت کر رہا ہے ان حالات میں روس امریکہ اور پاکستان یک زبان ہو کر افغانستان میں وسیع البنیاد حکومت کی رٹ لگاتے رہے جن کا مقصد افغانستان میں مجاہدین اور کمیونسٹوں کی مخلوط حکومت کی تشکیل۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت کے قیام کو سبوتاژ کرنا ہے۔

یہ حقیقت اب پوشیدہ نہیں رہی کہ افغانستان میں روس صرف فوجی شکست سے دوچار نہیں ہوا بلکہ دنیا بھر میں کمیونزم کے بخیے اُدھڑ گئے۔ روس کا اندرونی نظام پاش پاش ہو گیا۔ انسانیت کو سکون و اطمینان لانے کا مدعی اپنے زہر آلود خنجر سے خود نیم بسمل ہے۔ اس وقت مشرق اور مغرب دونوں تذبذب کا شکار ہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا زریں موقعہ ہے اور اس سے کفر کی دنیا لرزہ براندام ہے۔ یورپ خائف ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کی اسلامی حکومت سے پاکستان اور عالم اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت بن سکتی ہے ——

افغانستان میں شاہ نواز تنائی کی بغاوت۔ اس منصوبہ کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ امریکہ روس جو مجاہدین کی حکومت کی بجائے وسیع البنیاد مخلوط حکومت کے علمبردار ہیں اور پاکستان اس سازش میں ان کا آلہ کار ہے ہر تینوں کو اس بغاوت سے اپنی منزل قریب نظر آنے لگی۔ ہر تینوں انقلاب کی کامیابی کی گھڑیاں گننے لگے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے خلوص کی وجہ سے اس انقلاب کو ان کے لئے تائید غیبی بنا دیا۔ ارباب بصیرت مجاہدین نے فیصلہ کیا کہ ہمارے لئے نجیب اور تنائی میں کوئی فرق نہیں۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو ہدایت کی کہ دونوں دھڑوں میں سے جو بھی غیر مسلح ہو کر اپنے آپ کو مجاہدین کے حوالہ کرے اسے پناہ دی جائے۔ اور اس علاقہ میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا جائے۔

یہ حقیقت میں وہی فراست ایمانی ہے جس کے متعلق ارشاد گرامی ہے:۔

اتقوا فراست المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ

اس بغاوت کا فائدہ بہر صورت مجاہدین کے حصہ میں آیا۔

۱۔ نجیب انتظامیہ کے دشمنوں میں اضافہ سے اس کی مشکلات بڑھ گئیں۔

۲۔ پرچم اور خلق کا قدیمی ٹکراؤ تازہ ہوا۔

۳۔ یورپ کے جو ممالک نجیب کو مستحکم سمجھ کر اپنے سفارت خانے دوبارہ بحال کرنے والے تھے ان کے فکر میں تبدیلی آ گئی۔

۴۔ نجیب انتظامیہ کے متعلق روس کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی ہو گی۔

۵۔ راسخ العقیدہ مجاہدین کی صفوں میں مزید یک جہتی اور استحکام پیدا ہوا۔

۶۔ پرچم یا خلق میں سے کسی کے ساتھ مصالحت یا مداہنت کرنے والوں کی سازش نشت از بام ہوئی۔

یہ سب تائید غیبی مجاہدین کی استقامت علی الحق کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی ان کا حامی اور ناصر ہو۔

(مولانا قاضی عبداللطیف ممبر سینٹ آف پاکستان)

صحبتے با اہل حق یا ایمان و یقین کی پھلواری

(بحوالہ ماہنامہ الحسنات لاہور۔ اپریل ۱۹۹۰ء)

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کا شمار دور حاضر کے ان صلحائے امت میں ہوتا ہے جو سلف صالحینؒ کا نمونہ اور ان کی ایک نہایت گراں پایہ یادگار تھے۔ فی الحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ ان کی ذات گرامی

بے دینی، تجدد، اباحیت اور الحاد کی ظلمتوں میں منارہ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔ انہوں نے دینی تبلیغ اور اشاعت علم کے سلسلے میں جو عظیم الشان کارنامے سرانجام دئے۔ انہوں نے ان کو "شہرت عام اور بقائے دوام" کے دربار میں نہایت ارفع و اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ حضرت اقدس سرہٗ نہ صرف علوم دین کا بحر ذخار تھے بلکہ سیرت اور کردار کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ خشیت الٰہی، عشق رسول ﷺ، شغف عبادت، انکسار سادگی، حق گوئی، بے تعصبی، خوش مزاجی اور تواضع ان کی ایسی صفات تھیں جو اپنوں اور بیگانوں سب کا دل موہ لیتی تھیں۔ حضرت اپنی مجالس میں علم و عرفان کے ایسے ایسے موتی لٹایا کرتے تھے جن کو چنتے چنتے طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ حضرت کے شاگرد رشید مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر اس کتاب کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ حضرتؒ کے یہ ارشادات و ملفوظات کیا ہیں پند و نصائح کا خزینہ، عقل و خرد کا درس اور عشق و معرفت کا دریا جس میں غوطہ زن ہونے والا گوہر مقصود سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ معرفت کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی، اللہ کے ساتھ محبت اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت بلکہ عشق ان ملفوظات کی نمایاں خصوصیت ہے ان جواہر ریزوں کے چند عنوانات ملاحظہ ہوں

ملت کا استحکام اور عروج اہل اسلام کے اتحاد پر منحصر ہے۔ علماء و اہل اللہ کی محبت نجات کا وسیلہ ہے۔ علمی ماحول اور مریضوں کی خدمت بڑی نعمت ہے۔ کبائر سے اجتناب، صغائر کے عفو کا ذریعہ ہے۔ ذکر و عبادات سے تلذذ نہیں بندگی مقصود ہے۔ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ جہاد ایمان کا لازمہ ہے۔ عیاشی سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی اہلیت کی شہادت نااہلی کی دلیل ہے۔ فقہی مسالک اور سلاسل تصوف، ایک ہی تالاب کی مختلف نہریں ہیں۔ تبلیغ دین اور بیان مسائل میں تسہیل پیش نظر رہنی چاہیئے۔ خود غرضی اور انانیت سے انتشار اور دھڑے بندی پیدا ہوتی ہے۔ حسن عمل کے ساتھ طول عمر بھی نعمت ہے۔ دین کی خدمت سے زندگی ملتی ہے جھوٹے نبی سے نبوت کی دلیل طلب کرنے میں ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ مجاہدین کے چہروں کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ غرور اور تکبر کے ساتھ علم اور عبادت بھی نافع نہیں رہتی۔ جب دنیا سے نفرت ہو تو وہ قدم چومتی ہے۔ انانیت معرفت خداوندی میں بہت بڑا حجاب ہے۔ حصول علم کو رضائے الٰہی کا ذریعہ بنا لینا چاہیئے حصول علم کی خاطر صبر و ضبط اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

بلا مبالغہ اس کتاب کا ہر صفحہ ایمان و یقین کی ایسی پھلواری ہے جن کے پھولوں کی خوشبو سے مشام جان معطر ہو جاتا ہے اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ان ملفوظات سے دین کی گرہیں کھل جاتی ہیں اور ذہن سے تشکیک و انکار کا زہر کافور ہو جاتا ہے۔

پیرایۂ بیان انتہائی شگفتہ اور پُر کیف ہے۔ کتاب ایک دفعہ شروع کر کے ختم کئے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ملفوظات میں رشد و ہدایت کی باتوں کے علاوہ دفاع پاکستان اور نجات اخروی کے حوالے سے جہادِ افغانستان کی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔ اور وطن عزیز کے کئی دوسرے اہم امور کے بارے میں بھی بڑی جامع اور پُر مغز گفتگو کی گئی ہے۔ ان میں بعض بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات بھی ملتے ہیں اور بعض امراض بدنی و روحانی علاج کے لئے مجرب وظائف و اوراد بھی۔ غرض یہ کتاب ہر لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے۔ کوئی بھی قاری اس کو توجہ سے پڑھ کر گوناگوں برکات و فیوض سے متمتع ہو سکتا ہے۔

جناب طالب ہاشمی۔ لاہور

یونان میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان

یونان دنیا کے ان ممالک میں شمار ہوتا ہے کہ جہاں مسلمانوں کا چاند عرصۂ دراز تک روشنیاں پھیلاتا رہا اور ستارۂ عروج چمکتا رہا ہے۔ ترکوں کی ہزیمت کے بعد اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں پورے یونان میں ایک بھی مسلم آثار نہیں ہے۔ نہ کوئی مینارہ نہ کوئی مسجد۔ اور نہ بہ ظاہر کوئی مسلم۔ ایک دوست نے بڑی عجیب بات کہی۔ اگر اتنے زمانے یونان پر عرب حکومت کرتے تو پورا یونان عرب بن چکا ہوتا۔ میرے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا کہ اسپین میں صدیوں حکومت کرنے کے بعد وہاں کیا صورت حال ہے۔

دراصل عروج و زوال کی داستانیں اپنے دامن میں بڑے عجائب و غرائب رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کے عروج کے اسباب یکساں رہے ہیں۔ اور ان میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ مٹھی بھر عرب صحرائے عرب سے اٹھے تھے اور پوری زمین پر چھا گئے تھے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ اور باقی ہر طاقت سے باغی تھے۔ اس نے ان کو اخلاق کی ہر قوت سے مالامال کر دیا تھا۔ محبت و احترام ان کی سرشت تھی۔ برداشت ان کی تربیت کا اہم جزو تھا۔ وہ ایک نظریۂ حیات لے کر دنیا کے سامنے آئے جو اپنی مثال آپ تھا اور جس نے لازماً دنیا کے ہر مزاج و فکر کو متاثر کیا۔ اور قبولیت فکر کی راہیں ہموار ہوئیں۔ کردار مسلم بے داغ تھا۔ بلند کرداری میں صفحۂ ارض پر ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مسلمان کے پاس کسی بھی دور میں مادی طاقت نہیں رہی۔ اس کی عظمت و رفعت کا راز اس کی روحانیت رہا ہے جب تک مسلمان صراط مستقیم پر رہا قرآن حکیم اور سنت رسول ؐ اس کے رہنما رہے وہ عروج پر عروج پاتا رہا اور کوئی اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکا حتیٰ کہ اس نے فکر بلند سے، حکم الٰہی سے، پیغام رسول سے کرۂ ارض کو روشن کر دیا۔

پھر جب زوال کی داستان المناک پہ غور کرتے ہیں تو اس کے اسباب میں بھی کوئی فرق نہیں پاتے۔ مسلمان کے

ہزیمت کا سبب جادۂ مستقیم سے اس کا فرار اور کردار سے محرومی رہا ہے۔ یونان پر ترکوں کو عرصہ دراز تک غلبہ رہا۔ مگر جب وہ یہاں سے ۱۸۲۱ء میں پسپا ہوئے تو یونانیوں نے ان کے ایک آثار کو باقی نہ چھوڑا۔

اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ نشانات کیوں مٹا دیئے گئے؟ کیا ترک آخر میں کردار سے محروم ہو گئے تھے۔ (جناب حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی)

بابری مسجد کے بعد بلغاریہ میں مسجد کی آتشزدگی

بلغاریہ میں مسلمان مخالف عناصر نے ایک ۳۱۵ سالہ یادگار مسجد کو آگ لگا کر شہید کر دیا ہے۔ بلغاریہ کے یہ اسلام دشمن عناصر اس سے پہلے بھی سینکڑوں مساجد اور مدارس کو نذر آتش کر چکے ہیں۔ لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب بلغاریہ کے مسلمانوں کا الگ تشخص ختم کرنے کی کوششیں جاری تھیں اور مسلمانوں کو اسلامی نام رکھنے کی ممانعت تھی۔ پچھلے دنوں خبر آئی تھی کہ بلغاروی پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے تمام امتیازی قوانین منسوخ کر دیے ہیں۔ جن کی رو سے وہ اپنے اسلامی تشخص کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد امید ہوئی تھی کہ بلغاروی مسلمانوں کے ابتلا کا دور ختم ہو گیا ہے اور اب ان سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن مسجد کی آتشزدگی کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغاریہ کے مسلمان مخالف عناصر نے ابھی تک اپنی سرگرمیاں ختم نہیں کیں۔ بلکہ بلغاروی پارلیمنٹ کے فیصلے سے ان کی آتش انتقام مزید بھڑک اٹھی ہے۔ اسلام دشمن عناصر نے بلغاریہ کی تاریخی جامع مسجد کو شہید کر کے بلغاریہ کی حکومت کو چیلنج کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ بلغاریہ کی حکومت ان عناصر کی سرگرمیوں کا نوٹس لے گی۔ اور عالم اسلام اپنی بیداری کا ثبوت دے گا۔ (محمد قاسم)

عید کارڈ کرسمس کارڈوں کی نقالی ہے

ہمارے آپ کے دیکھتے دیکھتے عید کارڈوں کے رواج نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے اس رواج کا آغاز غالباً کرسمس کے کارڈوں کی نقالی میں ہوا تھا لیکن اب یہ نقالی پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

بظاہر ایک دوسرے کو عید کی مبارک دینا ازدیاد محبت و اخوت کا ذریعہ ہے۔ مگر اس معاملے میں انفرادی سطح پر جس اسراف بیجا کو اختیار کر لیا گیا ہے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمتی کارڈوں کے استعمال کا مقابلہ شروع ہو گیا ہے نیز اجتماعی سطح پر سرکاری یا پارٹی فنڈ کو ذاتی تعلقات (P.R) بڑھانے کے لئے بے دردی کے ساتھ استعمال کو کسی طرح پسندیدہ عمل نہیں کہا جا سکتا۔

بعض کاروباری ادارے یا بعض تبلیغی مقاصد رکھنے والے حضرات اپنے کاروبار یا نظریہ کی تبلیغ کے لئے

عید کارڈوں کو ذریعہ بناتے ہیں ان کو بھی بہرحال حد اعتدال پر قائم رہنا چاہیئے۔

ادھر کئی برسوں سے عید کارڈوں کے ذریعے عریاں اور فلمی تصاویر پھیلانے کا کام بھی لیا جا رہا ہے اس طرح یہ بے درد ناشر نوجوانوں کے اخلاق تباہ کر کے سرمایہ بٹورنے میں مشغول ہیں۔ گویا ملت میں ہر طرف سے جونکیں چمٹی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا خون بے دھڑک چوس رہی ہیں۔ اور کسی میں ہمت نہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے غلط طور طریقوں پر مسلمانوں کو متنبہ کرے۔

ہم سماجی اور اصلاحی میدان میں کام کرنے والوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان عید کارڈوں کی وبا کے خلاف جدوجہد کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کریں گے۔ (خالد عثمان کرک)

بقیہ - علمی اور مطالعاتی زندگی

دیوبند کے اساتذہ عظام میں حضرت افغانی قدس سرہ سے زیادہ رابطہ رہا بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرتؒ کی نظرِ شفقت زیادہ رہی۔ حضرت بلاشبہ علم کے سمندر اور معرفت کے بحرِ بے کنار تھے، واللہ! میں نے انہیں لباسِ شاہی میں فقر کا بے تاج بادشاہ پایا ــــ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے استحضار میں نمونۂ سلف ہونے کے باوجود فنائے نفس کا حال یہ تھا کہ جب بھی کوئی عجیب نکتہ بیان فرماتے تو نہ صرف متقدمین بلکہ معاصرین کے حوالہ دینے میں کوئی استنکاف نہیں فرمایا کرتے تھے، جبکہ نفس پرست علماء جان بوجھ کر یہ تصور دینے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ گویا یہ ایجادِ بندہ ہے۔

اِس سلسلہ میں دل تو بہت چاہتا ہے۔ مگر یہاں تو اتنا ہی آپ کی تعمیل میں بتلانا تھا کہ میں ان حضرات کے کِس کِس کمال سے زیادہ متأثر ہوا۔ اور وہ یہی کہ کانوا وقافین الکتاب اللہ ــــ مذہب ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھا حب فی اللہ اور بغض للہ ان کا طرۂ امتیاز۔

کتب اور مشائخ کرام کے سلسلہ میں کسی اور فرصت کا انتظار فرمائیں۔

ناکارہ عبدالکریم عفرلہ والوالدیہ خادم نجم المدارس کلاچی

مولانا سید محمد میاں

قومی مصارف اور ذرائع آمدنی

کتاب اللہ کے اشارات

قرآن حکیم کا یہ کمال ہے کہ اس نے جہاں صَرف (خرچ) کا کوئی مد بیان کیا ہے تو ساتھ ہی اس کی آمدنی کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

نیکی (۱) دنیا کے ہر ایک مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیک بنانا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم نیکی کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ مالی نظام کے اس حصہ کو جو فرد کی معیشت اور معاشرت سے تعلق رکھتا ہے، اس کو بھی وہ نیکی کا ضروری باب گردانتا ہے کہ جب تک اس پر عمل نہ ہو لفظ نیکی بے معنی ہے اور کوئی فرد خواہ کتنا ہی عبادت گذار، کتنا ہی شب بیدار ہو، مسلسل روزوں پر روزے رکھتا ہو اور رات دن تسبیح جپتا ہو، جب تک نیکی کے اس باب کو عمل میں نہیں لائے گا وہ صالح اور نیک نہیں ہو گا۔ سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۷۷ کا خلاصہ ہے:

" نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لو یا پچھم کی طرف" (اور ظاہری رسوم کی پابندی کرو) نیکی یہ ہے کہ اپنی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر اس طرح کرو۔

(الف) اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، خدا کے تمام نبیوں پر تمہارا ایمان ہو۔ (عقیدہ صحیح ہو جو بنیادی شرط ہو)

(ب) اور اس وقت جبکہ (اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتیں موجود ہوں، ان کی ذمہ داریاں تم پر لازم ہوں، جن کے پورا کرنے کے لئے خود تمہیں) مال محبوب ہو، تم یہ محبوب مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کی امداد، سائلوں کا سوال پورا کرنے اور گردنوں کو چھڑانے میں خرچ کرو۔

(ج) پورے آداب و شرائط کے ساتھ نماز قائم کرو۔

(د) زکوٰۃ ادا کرو۔

(ہ) اپنی بات کے پکے رہو، جب قول و قرار کرو، تو اس کو پورا کرو۔

(و) اور تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صبر (ضبط و تحمل اور استقلال)

سے کام لو، یہی ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں اور یہی ہیں متقی اور پرہیزگار۔

اس آیت میں خرچ کے دو مد بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ضرورت مندوں کی امداد — وہ بالغ ہو یا نابالغ (یتیم) رشتہ دار ہوں یا اجنبی، مسافر (وطن یا غیر وطن کے) یا سائل۔

(۲) گردن چھڑانا، یعنی غلام آزاد کرنا یا مقروض کا قرض ادا کرنا۔

خرچ کی طرح آمدنی کے بھی دو مد بیان فرمائے گئے ہیں۔ ۱ زکوٰۃ ۲ عطیہ۔ زکوٰۃ کی رقم ضرورت مندوں پر خرچ کی جائے گی، البتہ ایسے رشتہ دار جن کا نفقہ زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہوجاتا ہے (مثلاً اولاد یا ماں باپ) ان کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جائیگی۔ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

زکوٰۃ کی رقم کسی تبادلہ میں بھی نہیں دی جاسکتی، لہٰذا آزاد کرنے کے لئے جو غلام خریدا جائے گا اس کی قیمت اپنے پاس سے دینی ہوگی، جس کو ہم نے عطیہ کہا ہے، البتہ اس سے اسلام کا مزاج معلوم ہوگیا کہ اس کی نظر میں گردن چھڑانے کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ اس کو نیکی کے مفہوم میں داخل اور خرچ کی ضروری مدات میں شامل کیا گیا ہے۔

ان مدات کے لئے ضروری نہیں ہے کہ نظام حکومت کو واسطہ بنایا جائے، اگر مسلمانوں کی حکومت نہ ہو یا مسلمانوں کی حکومت مطالبہ نہ کرے تب بھی نیک کردار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان مدات پر خرچ کیا جائے یعنی جس طرح نماز، روزہ یا خود اپنے اہل و عیال کا نفقہ ہر مسلمان پر ہر حال میں فرض ہے خواہ وہ دارالاسلام میں ہو یا کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت زندگی گزارتا ہو ایسے ہی خرچ کے یہ مدات بھی مسلمان کے لئے لازمی فرائض میں داخل ہیں۔

دوسری ضرورتیں اور مداتِ آمدنی غریبوں کا پیٹ بھر دینے، ضرورت مندوں کی ذاتی اور شخصی ضرورتیں پوری کر دینے، غلاموں کی گردن چھڑا دینے یا مقروضوں کا قرض ادا کر دینے سے ترقی پذیر قوم و ملت کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوجاتیں۔

اُمت اسلامیہ جس کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ (حق و صداقت کی علمبردار بن کر پوری دنیا کو اس حقیقت کا مشاہدہ کرائے کہ وہ دستورِ اساسی اور کانسٹی ٹیوشن یا مینی فسٹو جس کو کلمۃ اللہ کہنا چاہیئے صرف اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ سب سے بلند و بالا رہے) وہ اپنے اس نصب العین میں کامیابی نہیں ہوسکتی جب تک روحانی عظمت و احترام، اخلاقی اقتدار و برتری کے ساتھ مادی ترقیات میں بھی اس کا قدم سب سے آگے اور اتنا آگے نہ ہو کہ دوسرے قدم وہاں تک پہنچتے پہنچتے تھک جائیں۔

فراد کی ہئیت اجتماعی کا نام ملت ہے۔ یہ ہئیت اجتماعی ترقی کے قطب مینار پر اسی وقت پہنچ سکتی
اس کے افراد کی غالب اکثریت ترقی کے تمام زینے طے کر چکی ہو۔

اگر مسلمان ارشادِ ربانی (وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) کے مضمرات کو اپنا جذبۂ عمل
لمحالہ ان کی تعلیم کا میدان دوسری قوموں کے تعلیمی میدانوں سے بہت زیادہ وسیع ہوگا اور اس بنا پر
یمی مصارف بھی دوسری قوموں کے مقابلہ پر بہت زیادہ ہوں گے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ
کی تعلیم کے لئے صرف وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں کافی نہیں ہوں گی جن میں عصری تعلیم، سائنس
فلسفہ طبیعات، فلکیات یا ڈیفنس اور دفاعی و جنگی فنون کی تعلیم دی جاتی ہو اور ان کا ماہر بنایا
بلکہ ان کو ایسی درسگاہوں، تربیت گاہوں اور ایسے دارالعلوموں کی بھی ضرورت اور اتنی ہی شدید
ہی ضرورت ہوگی، جہاں مذہبی تعلیم اور اخلاق اور روحانیت کی تربیت اور تکمیل ہو سکے تاکہ مسلم نوجوانوں
سطرح عصری علوم اور فنونِ جدیدہ کا ماہر ہو، وہ خدا شناسی، حقیقت شناسی، حقوق شناسی اور
خلاق و کردار کا بھی کامل نمونہ ہو کہ وہ " شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ " بن سکے اور خداوند عالم کی حجت
ہو سکے۔

بالفاظِ دیگر اگر کمیونسٹ روس کے بجٹ کا ساٹھ فی صدی تعلیم پر صرف ہوتا ہے تو خلافتِ
ہ کو اپنے بجٹ کا اسّی فیصدی تعلیم کے لئے مخصوص کرنا پڑے گا تاکہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم
سکے اور دنیا امام غزالی، ابن رشد اور رازی جیسے ائمہ علوم و فنون کے فیوض برکات سے بہرہ یاب ہو سکے
یہ کتنی رقم ہوگی، کہاں سے فراہم ہوگی، قرآن حکیم اس کا جواب دینے سے پہلے یہ تحقیق کرتا ہے کہ
رت کس کی ہے، ضرورت مند کون ہے؟

تعلیم و تربیت اور ترقی، فرد کی ضرورت ہے یا اللہ تعالیٰ کی؟ بعنوان دیگر فرد کی ضرورت ہے یا
ت کی۔ اپنی اور اپنی اولاد کی ترقی کی ضرورت، بڑے سے بڑے دولت مند امیر و کبیر کو بھی ایسی ہے جیسے
ی آدمی کو۔ اس ضرورت کے لحاظ سے امیر کبیر اور بڑے سے بڑا دولت مند بھی حاجت مند اور قرآن حکیم
لفاظ میں فقیر ہے۔

تعلیمی ضرورتوں کے علاوہ اور بھی ضرورتیں ہیں جن کا تعلق پوری قوم کی تعمیر و ترقی سے ہے مثلاً
یں، نہریں، پل، مسافر خانے اور ترقی پذیر دور کے لحاظ سے ذرائع مواصلات و مراسلات (ڈاک، تار
ی اور ہوائی سروسیں وغیرہ) مگر یہ تمام ضرورتیں خود قوم کی ضرورتیں ہیں، خدا کی ضرورتیں نہیں ہیں ۔۔۔
اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ وہ ان مدات پر خرچ کرنے کی ہدایت کرتا ہے تو ان تمام رقوم کو جو ان مدات

کے لئے عطا کی جائیں، اپنے ذمہ قرض مان لیتا ہے اور اس مد کو خود اپنی مدد قرار دیتا ہے اور بڑی
سے وعدہ فرماتا ہے۔ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (سورہ حج ۲۲
(یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا، ان کی جو اللہ کی مدد کرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ قوت
والا سب پر غالب ہے)

ان وسیع اور ہمہ گیر ضرورتوں کو سامنے رکھیئے، پھر سورہ محمد کی اس آخری آیتوں کا مطالعہ
ان آیتوں کے مفہوم اور منشاء پر غور کرتے ہوئے جیسے جیسے صَرف کی مدات آپ کے سامنے آئیں گی، مدات
کا سراغ بھی مل جائے گا۔ آیات کا مضمون یہ ہے (اللہ تعالیٰ اہل ثروت کو خطاب فرما رہے ہیں)

"دیکھو، دیکھو، تم ہی کو خاص تم ہی کو دعوت دی جا رہی ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرو، پھر
تم میں سے کچھ وہ ہیں، جو (خرچ نہیں کرتے) بخل کرتے ہیں، یاد رکھو جو بخل کرتا ہے
وہ خدا سے نہیں خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے وہ
بے نیاز ہے (یہ تعلیمی، تعمیری، ترقیاتی اور دفاعی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں جن
کی بناء پر تم اگر دولت مند ہو تب بھی) فقیر اور حاجت مند ہو، اس حقیقت کو سمجھو
اور پورے حوصلہ سے خرچ کرو (اور اگر خرچ سے) منہ موڑتے ہو (تو یقین رکھو تباہی
اور بربادی تمہارا انتظار کر رہی ہے، مگر برباد تم خود ہوگے، خداوند عالم کی ذات باقی
اور بے نیاز ہے اسے کبھی کوئی زوال نہیں آسکتا، تم فنا ہو جاؤ گے) تو اللہ تعالیٰ کسی
دوسری قوم کو تمہارا بدل کر دیگا، وہ تم جیسے نہیں ہوں گے (سورہ محمد ع ۴ آیت ۳۸)"

تناسب سالانہ بچت کا ڈھائی فیصدی جس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، وہ فقیروں، یتیموں، بیو
اور مسکینوں کا مخصوص حصہ ہے۔ اس میں سے ان تعمیری اور تعلیمی مدات پر خرچ نہیں کیا جائیگا۔ ا
مدات کے لئے اصحاب حیثیت کو اور رقم فراہم کرنی ہوگی۔ اس کا تناسب کیا ہو۔ یہ تناسب ضرورتوں
لحاظ کرتے ہوئے خود اہلِ ثروت طے کریں یا وہ معتمد یا اہل الرائے طے کریں جو عہد نبوی (علی صاحبہ الله
والسلام) کے "عرفاء" کی طرح اپنے قبیلے یا اپنی آبادی کی نمائندگی کرتے ہوں۔ خرچ کرنے والوں اور
کرنے والوں کو قید و بند اور ضبطی جائیداد جیسی کسی قانونی سزا کی دھمکی نہیں دیگئی، البتہ نتیجے سے
کر دیا گیا ہے، وہی دھمکی ہے، تنبیہہ کر دیگئی ہے کہ بخل کا نتیجہ خود ان کے اپنے حق میں بخل ہوگا، اس
زیادہ بخل کیا ہو سکتا ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں اپنا مستقبل خراب کرے اور چند ٹکے بچانے
خاطر عام تباہی اور بربادی مول لے لے۔

منشی یار ـ روفاؔ کیلوی، گنجیال ضلع خوشاب

ھدیۂ عقیدت

بحضور

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ

فکر وہ محدّث مقتدا، ذی شان تھے ۔۔۔ خلف سلفِ صالحین مخلص وہ اک انسان تھے

مُدبّر بے گماں تھے ایک عالِم باعمل ۔۔۔ وہ محقق وہ مفسّرِ صاحبِ عرفان تھے

درس جو محمودؒ و مدنیؒ سے ملا ازبر رہا ۔۔۔ انورؒ و قاسمؒ کا اپنی ذات میں فیضان تھے

پیکرِ علم و حیاء، جود و سخاء صاحبِ ۔۔۔ وہ مجاھدِ حق کے حامی صاحبِ ایقان تھے

دبدبہ باطل پر اُن کا ہر زماں قائم رہا ۔۔۔ دینِ حق کے پاسبان "غازی" مردِ میدان تھے

مسلکِ توحید و سنت کے وہ سالک راہنما ۔۔۔ نیک سیرت خوش لقا دیوبند کی پہچان تھے

آ رہی ہے آج بھی اُن کی صدائے بازگشت ۔۔۔ جس سے گونجی قصرِ شاہی کاخ اور ایوان تھے

نہرِ علم و آگہی کا ایک چشمہ تھا رواں ۔۔۔ طالبانِ دین ہوتے فیضیاب ہر آن تھے

عمر بھر جس نے دیا درسِ اخوّت رات دن ۔۔۔ حرّیت کے پاسباں وہ قائدِ دوران تھے

ہے دُعا پھولا رہے یہ گلشنِ حقانیت ۔۔۔ جس کے بانی داعیِ حق فاتحِ ہر میدان تھے

یا الٰہی دے انہیں تو خلد میں اونچا مقام ۔۔۔ خادمانِ مصطفٰےؐ کے خادمؑ و دربان تھے

وہ فقیہ عصر آں مومن وفا روشن ضمیر

مردِ حق آگاہ حق گو صاحبِ وجدان تھے

تبصرۂ کتب

مولانا سمیع الحق مدظلہ

نام کتاب: کشکول معرفت ۔ تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی ۔ صفحات ۱۱۲ ۔ قیمت ۲۴ روپے

مخدوم العلماء حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی صاحب دل بزرگ عظیم علمی روحانی شخصیت اور اکابر علماء دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی علمی اور روحانی عظمتوں کے امین ہیں۔ موصوف پون صدی سے قرآن و حدیث کی خدمت، تصوف و سلوک کی اشاعت اور قومی خدمات کے مختلف میدانوں میں مصروفِ عمل اور قابلِ رشک کام کر رہے ہیں۔ آپ ہمیشہ سے اکابر علماء و مشائخ کے معتمد اور سلوک و طریقت کے طلباء کا مرجع رہے ہیں۔ مختلف موضوعات پر آپ کی گراں قدر اور وقیع تصنیفات ملک بھر کے علمی و دینی حلقوں میں مقبول اور زبردست خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

پیشِ نظر "مجموعہ مکاتیب" بھی آپ کے سلسلہ رشد و ہدایت کی ایک زرّین کڑی ہے۔ مکتوبات کے مرتب مولانا عبدالقیوم حقانی قابلِ مبارکباد ہیں جنہوں نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ہمہ وقتی معمولات، ریسرچ و تحقیق کے صبر آزما مشاغل کے باوجود بھی حضرت قاضی صاحب موصوف کے مکاتیب کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ اور اب انہیں مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا — جو صاحبِ مکتوبات مدظلہ کی طرح خود مرتب کے لئے بھی نافع اور آخرت میں رفعِ درجات کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ۔

مکتوبات کا بنیادی مضمون تزکیہ و تصوف اور احسان ہے۔ حضرت العلامہ قاضی صاحب دامت برکاتہم خود اس موضوع کے اختصاصی عالم، اس دریا کے شناور بلکہ اس مسئلہ پر علمی طور پر حاوی اور عملی طور پر ذوق آشنا ہیں۔ پھر مکتوبات میں موصوف کی زبان و اسلوب، تسہیل و تفہیم، معیار و اقدار، طریقۂ تعبیر و تشریح دیکھ کر پڑھنے والے کا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ خطوط کی ہر سطر خلوص و دلسوزی سے لکھی گئی ہے۔

موصوف کو مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کی سرپرستی، اس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ سے محبت اور اس گنہگار سے جو تعلقِ خاطر اور شفقت ہے خطوط میں جگہ جگہ اس کا اظہار بھی کیا گیا ہے جو ادارہ کی ترقی اور خود احقر کے لئے اُخروی سعادت اور نجات کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ یہ مجموعہ اگرچہ مختصر ہے تاہم اپنے مضامین اور وقیع تحریروں کی وجہ سے ایک قابلِ قدر علمی تحفہ ایک حیات آفرین پیغام اور اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص و مقبول بندے کے اصلاح و تربیت اور غمخواریٔ اُمت کی روئیدادِ حیات کی ایک مختصر مگر روشن جھلک سامنے آ گئی ہے جو نہایت خاموشی، عجز و مسکنت اور تواضع و انکساری کے ساتھ خدمتِ علم اور اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مؤتمر المصنفین کے لئے اس مجموعۂ مکاتیب کی اشاعت باعثِ شرف اور ذریعہ افتخار رہے۔ امید ہے کہ اہلِ علم اور اربابِ ذوق ادارہ ہذا کی دیگر مطبوعات کی طرح اس رسالہ کی بھی بھرپور پذیرائی کریں گے۔ یہ کتاب مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے منگوائی جا سکتی ہے۔

کُرۂ ارض رُوح افزا کے حصار میں!

آئینہ دارِ ثقافت : مشروبِ مشرق و مغرب

اب تک اتنی تعداد میں بن چکا ہے کہ اس کی بوتلیں کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں۔

ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے تقریباً نو سو سال قبل جہلم کے نزدیک نندنا پہاڑ پر بیٹھ کر دنیا کا قطر ناپا تھا جو ۷۹۰۲.۴۹ میل تھا۔ اس پیمائش کو بعد میں جدید سائنسی تحقیق نے درست قرار دیا۔ حکیم حافظ عبدالمجید نے دہلی میں بیٹھ کر نباتات، گل و گلاب اور فواکہات کے طبی خواص کے بموجب ۱۹۰۶ء میں رُوح افزا کا عہد ساز فارمولا مرتب کیا۔

یہ نادرِ روزگار شربت رُوح افزا اس عرصہ میں اتنی تعداد میں تیار ہو کر فروخت ہو چکا ہے کہ اس کی بوتلیں اپنی تعداد کے لحاظ سے پورے کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں اور اب رُوح افزا مشروبِ خلائق کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

شماریات کے مطابق صرف پاکستان میں ۱۹۴۸ء سے اب تک رُوح افزا کی اتنی بوتلیں تیار ہوئیں کہ ان سے تیار ہونے والے **دو ارب، دس کروڑ، اکانوے لاکھ، نواسی ہزار، چار سو چالیس گلاس** خلائق کی تسکین کا سامان کر چکے ہیں۔

پاکستان میں رُوح افزا کی تیاری پر اب تک استعمال ہونے والی خام اشیاء کا گوشوارہ

- شکر
- ستِ لیموں

۷,۹۲,۵۲,۷۹۴ کلوگرام
سات کروڑ، بانوے لاکھ، باون ہزار، سات سو چورانوے کلوگرام

- عرقِ رُوح افزا★
- عرقِ گلاب
- عرقِ بہار
- عرقِ کیوڑا

۱,۰۶,۵۱,۴۰۷ لیٹر
ایک کروڑ، چھ لاکھ، اکاون ہزار، چار سو سات

★ عرقِ رُوح افزا میں مختلف جڑی بوٹیوں، سبزیوں اور پھلوں کے عرقیات شامل

رُوح افزا کے لیے ۱۹۰۶ء سے ماہرینِ نباتات کاشت کر رہے ہیں، باغبان گل و گلاب اُگا رہے ہیں اور ہزارہا انسان فواکہات پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں ٹن گنا اُگایا جا رہا ہے۔ بے شمار انسان اور لاتعداد مشینیں شب و روز مصروفِ عمل ہیں اور نگراں ماہرینِ عرق سازی سے تیاری تک اعلیٰ معیار برقرار رکھنے پر توجہ رہے ہیں، تب جا کر رُوح افزا تیار ہو کر شائقین تک پہنچتا ہے۔ اسی عرق ریزی کی وجہ سے تمام دنیا رُوح افزا کی قدردان ہے اور یہ مشروبِ خلائق ہے۔

مشروبِ مشرق
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال **رُوح افزا**
مشروبِ خلائق

تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے
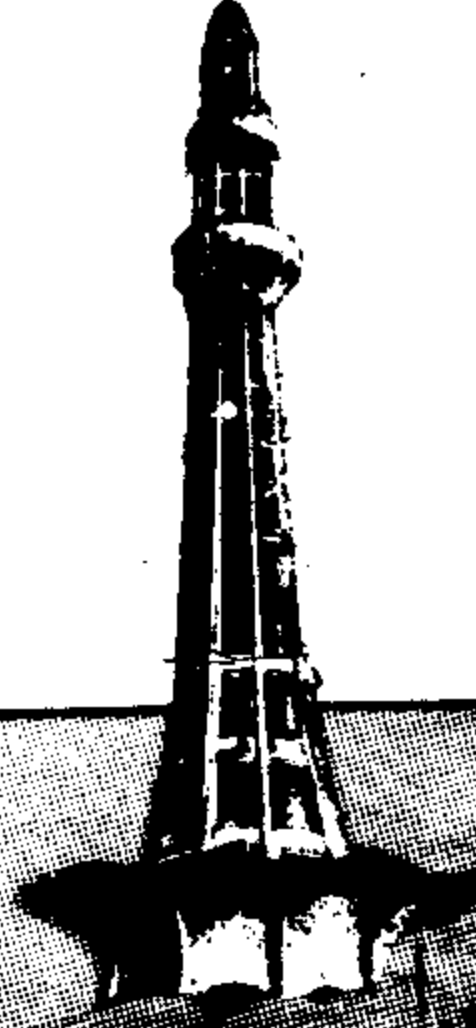
Habib Bank Limited
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد
مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ
جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے اور جو
بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔
سورۃ فاتحہ ۔۴تا ۷
حبیب بینک لمیٹڈ
PID (Islamabad)
manhattan Interne

ہم آپ ہی کی بہتر خدمت کے لئے آپکا تعاون چاہتے ہیں۔

نامزدگی

کیا آپ نے اپنی پالیسی میں نامزدگی کا اندراج کرادیا ہے ؛ اگر نہیں تو مہربانی کر کے اب جلد کروادیں ۔

پالیسی کی تفویض

جب پالیسی کسی کے نام تفویض کی جاتی ہے تو سابقہ ورثاء کی نامزدگی منسوخ ہو جاتی ہے۔ اگر پالیسی دوبارہ آپکے حق میں منتقل ہو تو ورثاء کی نامزدگی از سرِ نو کرانا نہ بھولئے ۔

مُقررہ مدّت میں واجب الادا پریمیم کی ادائیگی

اسٹیٹ لائف کی طرف سے ادائیگی کی یاد دہانی باقاعدہ طور پر کرائی جاتی ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ کبھی کسی وجہ سے آپ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے ادائیگی کی مقررہ تاریخ یاد رکھئے اور اپنا پریمیم ہمیشہ وقت پر، اور بہر صورت رعایتی مُدّت کے اندر ادا کر دیجئے۔

پریمیم کی ادائیگی کا طریقہ

رسید بلا تاخیر حاصل کرنے کیلئے اپنا پریمیم اپنے علاقائی دفتر کو بذریعہ رجسٹری ڈاک، چیک کی صورت میں بھیجئے۔ چیک اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان ہی کو قابلِ ادائیگی ہونا چاہیئے۔

پتہ کی تبدیلی

پتہ تبدیل ہونے کی صورت میں اپنے علاقائی دفتر کو مطلع کرنا نہ بھولئے اور تمام مراسلات میں اپنا پالیسی نمبر ضرور لکھئے۔

عُمر کا اندراج

کیا آپ نے اپنی پالیسی میں عُمر کا اندراج کرالیا ہے؟ اگر نہیں تو براہِ مہربانی فوری اندراج کرالیجئے۔

اگر آپ کو ۱۵ دن کے اندر مراسلے کا جواب نہ ملے تو حسب ذیل پتے پر مطلع کریں۔

ایگزیکیٹو ڈائریکٹر (پی ایچ ایس)
اسٹیٹ لائف
انشورنس کارپوریشن آف پاکستان
پرنسپل آفس، پی۔او۔بکس نمبر ۵۷۲۵، کراچی

offers

big opportunities especially in high-tech fields

We can meet your entire need for institutional financing.

Think ahead in terms of the challenges of 80's and 90's. Bring an idea and we provide finance in one package comprising:

- *Underwriting of public issue of shares at the time of making Offer for Sale to the public.*
- *Term financing on profit and loss sharing basis including mark-up and leasing under islamic principles.*
- *Equity and term foreign currency financing.*
- *Short-term working capital requirements of projects financed by BEL and its Syndicate.*
- *Export financing of locally fabricated machinery.*
- *Financing for balancing, modernisation and Rehabilitation of existing projects.*
- *Floatation of modarabas for business and industrial financing.*
- *Technical, financial and consultancy services.*

"Come with a sound plan and we provide a complete financial package"

Head Office : State Life Building No 3, Dr Ziauddin Ahmed Road, KARACHI. Tele 514017 520186 87 88-89

Branches 6A, Agha Khan Road, Super Market, F 6, ISLAMABAD Tel: 824241 824271
First Floor, Opposite P I.A. Building, 2nd Arbab Road, PESHAWAR CANTT Tel 73106
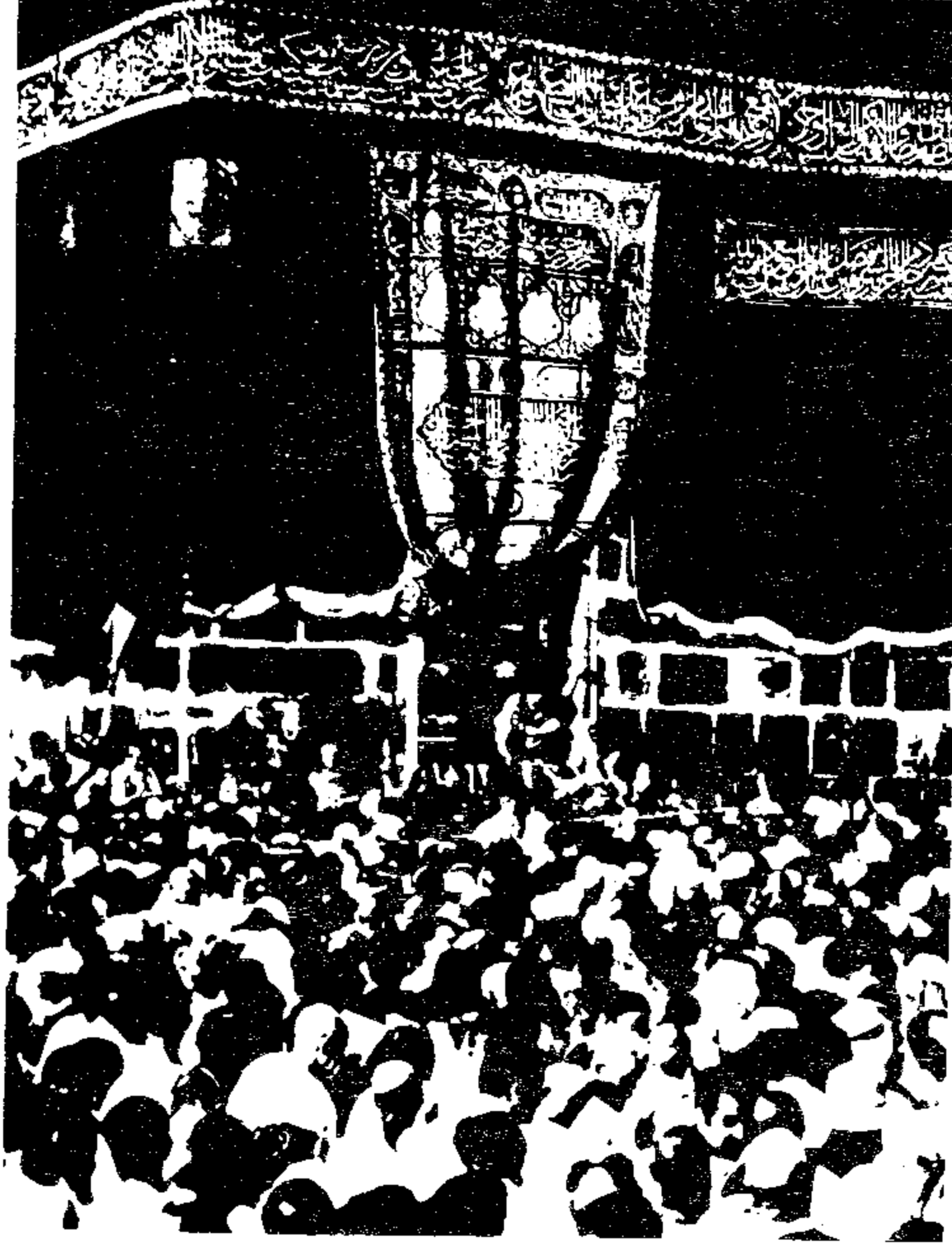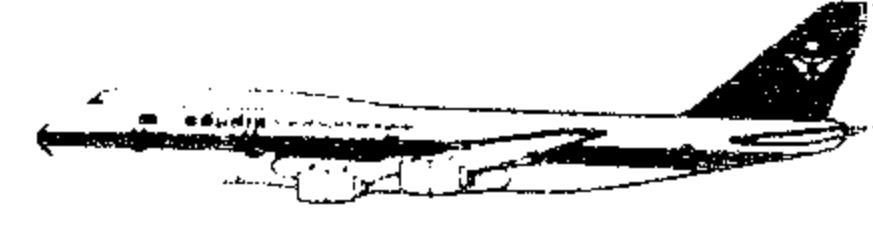
United 2/85
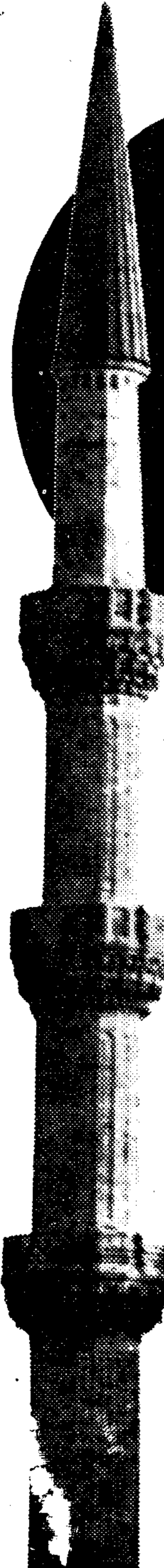
بے شک آنے والا وقت تمہارے لئے بہتر ہے اس وقت سے جو گزر چکا
اور بے شک تمہارا رب ایسی نعمتوں سے تم کو نوازے گا جو تم کو خوش کر دینگی۔

یہ الفاظ مبارکہ جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب
فرمائے، تمام سچے مسلمانوں کیلئے طمانیت کا پہلو رکھتے ہیں۔
آیئے ہم اللہ تعالےٰ کے حضور میں سر جھکا کر ان رحمتوں کا شکر
بجالائیں جو امتِ مسلمہ پر اب سے پہلے ہوتی رہیں اور عہد کریں کہ
آئندہ اور زیادہ عنایات کا مستحق بننے کی کوشش کرینگے۔
ایک فریضہ جو ہم پر عائد ہوتا ہے، نظام اسلام کی تعمیر ہے۔
جو بفضلہٖ تعالیٰ پاکستان میں شکل پذیر ہو رہا ہے۔
نیشنل بینک اس مبارک مہم میں حسبِ توفیق شریک رہے گا۔

نیشنل بینک آف پاکستان قومی ترقی قومی بینک